مؤمنوں پر احسانات

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (الانفال:٦١-٦٢)

''اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا، اور اللہ پر بھروسہ رکھ، یقیناً وہ بہت سننے جاننے والا ہے۔ اگر وہ تجھ سے دغا بازی کرنا چاہیں گے تو اللہ تجھے کافی ہے، اسی نے اپنی مدد سے مومنوں سے تیری تائید کی ہے۔ ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے تو اگر سارا کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے۔ وہ غالب حکمتوں والا ہے''۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مؤمنوں پر جو احسانات فرمائے، ان میں سے ایک بڑے احسان کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ نبی ﷺ کی مؤمنین کے ذریعے سے مدد فرمائی، وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن گئے۔ مومنین پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان پہلے جو عداوت تھی، اسے محبت و الفت میں تبدیل فرما دیا۔ پہلے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اب ایک دوسرے کے جانثار بن گئے، پہلے ایک دوسرے کے دلی دشمن تھے، اب آپس میں رحیم و شفیق ہو گئے۔ صدیوں پرانی باہمی عداوتوں کو اس طرح ختم کر کے، باہم پیار اور محبت پیدا کر دینا، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کی قدرت و مشیت کی کارفرمائی تھی، ورنہ یہ ایسا کام تھا کہ دنیا بھر کے خزانے بھی اس پر خرچ کر دیئے جاتے تب بھی یہ گوہر مقصود حاصل نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر سورہ آل عمران۔۱۰۳ (اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ) میں بھی فرمایا ہے اور نبی ﷺ نے بھی غنائم حنین کے موقع پر انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''اے جماعت انصار! کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمہیں ہدایت نصیب فرمائی۔ تم محتاج تھے، اللہ نے تمہیں میرے ذریعے سے خوش حال کر دیا اور تم ایک دوسرے سے الگ الگ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمہیں آپس میں جوڑ دیا'' نبی ﷺ جو بات کہتے انصار اس کے جواب میں یہی کہتے اللہ ورسولہ امن ''اللہ اور اس کے رسول کے احسانات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب المغازی باب غزوة الطائف – صحیح مسلم کتاب الزکوة باب اعطاء المؤلفة قلوبهم علی الاسلام)

(تفسیر احسن البیان صفحہ نمبر ۴۶۳-۴۶۴)

درس حدیث

غیراللہ کی قسم کھانا حرام ہے

محمد اظہر مدنی

عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ادرک عمر بن الخطاب وهو یسیر فی رکب یحلف بابیه فقال:الا ان الله ینها کم ان تحلفوا بآبائکم ، من کان حالفا فلیحلف بالله أو لیصمت.(صحیح بخاری-6646 /کتاب الایمان والنذور باب لاتحلفوا ابائکم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو وہ سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ چل رہے تھے اور اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:خبردار!یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں آباءواجداد کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔جسے قسم کھانی ہے اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے۔

تشریح : دورحاضر میں قسم کھانا ایک عام چلن اور فیشن بن گیا ہے۔ہر چھوٹی بڑی بات پر قسم کھانا پھر اس قسم کی بے حرمتی کرنا آج کل عام سا ہو گیا ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ اکثر قسمیں غیراللہ کے نام کی کھائی جاتی ہیں،جبکہ شریعت اسلامیہ نے قسم کھانے کی اصول وضوابط مقرر فرمائے ہیں تاکہ اس کی عظمت واہمیت کے ساتھ کھلواڑ نہ ہو،اس کا مقام ومرتبہ باقی رہے۔یہی وجہ ہے کہ قسم توڑنے کی پاداش میں بطور جرمانہ کفارہ کو واجب قرار دیا گیا ہے۔قسم کو قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ''حلف''اور''یمین''کہا جاتا ہے۔انسان بہت ساری وجوہات کے پیش نظر قسم کھاتا ہے،کبھی تو اپنی بات میں قوت واستحکام پیدا کرنے کے لئے قسم کھاتا ہے تو کبھی لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اور کبھی کذب بیانی کے ذریعہ اپنے جال میں پھانسنے کے لئے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بلاوجہ قسم کھانا انسان کی عادت بن جاتی ہے پھر وہ بات بات پر قسم کھاتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ قسم ایک عظیم چیز ہے اس کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ذات وصفات سے جوڑا ہے اور اپنے علاوہ غیروں کے نام اور ان کی صفات کی قسم کھانے کو حرام قرار دیا ہے۔مذکورہ بالا حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو اپنے باپ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو خبردار کیا اور ارشاد فرمایا:اگر تم کو قسم کھانی ہو تو اللہ کی قسم کھاؤ ورنہ خاموشی اختیار کرو،کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غیراللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے اور ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ''لا والکعبة''،''نہیں،کعبہ کی قسم!تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کو ٹوکا اور کہا کہ اللہ کے علاوہ کسی کی بھی قسم نہ کھائی جائے کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے غیراللہ کی قسم کھائی اس نے یا تو کفر کیا یا شرک کیا اور یہ دونوں ہی انسان کے ایمان کو برباد کردینے والی چیزیں ہیں۔

لہٰذا،قسم کی پاسداری بہت ضروری ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کبھی اپنی قسم نہیں توڑتے تھے۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کا کفارہ اتارا،اس وقت انہوں نے کہا کہ اب اگر میں کوئی قسم کھاؤں گا اور اس کے علاوہ کوئی چیز بھلائی کی ہوگی تو میں وہی کام کروں گا جس میں بھلائی ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرونگا۔اس واقعہ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ غلط بات پر قسم کھانا اور اس پر اڑے رہنا کوئی بہادری کی بات نہیں ہے بلکہ کفارہ ادا کرکے اس سے بری ہو جانا چاہئے۔حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم کھاتے تھے یا اللہ کی کسی صفت کے ساتھ جیسے''واللہ''''وباللہ''''وتاللہ''یا کبھی کہتے''یامقلب القلوب''دلوں کے پھیرنے والے اللہ کی قسم۔یا کبھی کہتے''والذی نفسی بیدہ''،قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا فرماتے''وعزتک''تیری عزت کی قسم......اس کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی اور دین یا مذھب کی قسم کھاتا ہے تو اسے بطور کفارہ کلمہ توحید''لاالہ الااللہ''پڑھنا ہوگا۔بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:من حلف باللات والعزی فلیقل:لااله الاالله''،جس نے لات وعزی کی قسم کھائی اسے بطور کفارہ کلمہ توحید پڑھنا ہوگا۔اسی طرح اگر کوئی بھول چوک سے قسم کھائے یا توڑ ڈالے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے البتہ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ قسم کا بڑا مقام ومرتبہ ہے شریعت میں،لہٰذا احتیاط کا پہلو ہمیشہ غالب رہنا چاہئے اور اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔حدیث میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ کبیرہ گناہ:اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا،والدین کی نافرمانی کرنا،کسی کی ناحق جان لینا اور قصداً جھوٹی قسم کھانا۔اسی طرح دنیاوی اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے جھوٹی قسم کھانے کی سخت وعید آئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے دنیا کی معمولی پونجی خریدتے ہیں۔اور دوسری جگہ فرماتا ہے:''وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَیۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡکِیۡدِهَا''(اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد پھر نہ توڑو۔)''وَقَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰهَ عَلَیۡکُمۡ کَفِیۡلًا''(تم اللہ کی ضمانت اپنی بات پر دے چکے ہو۔)اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہم تمام لوگوں کو شریعت پر کاربند رہنے نیز قسم اور اس جیسے شریعت کے وہ تمام احکام ومسائل جو روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں ان کو سیکھنے،سکھانے اور عام کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین ☆☆

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی مولانا شہاب الدین مدنی ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی مولانا طہ سعید خالد مدنی مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
اسلام میں سنت کا مقام	۶
شادی بیاہ میں فضول خرچی ایک سماجی خرابی	۱۱
عدل وانصاف کے پیکر...حضور اکرم ﷺ	۱۳
آپسی تعلقات کے بگاڑ کے چند اسباب	۱۸
نیکی برباد گناہ لازم	۲۰
پڑوسی کے حقوق	۲۳
انسان، دنیا اور آخرت	۲۶
اسلام کا پیغام انسانیت	۲۸
طب وصحت	۲۹
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز	۳۱
ایک اعلیٰ سطحی وفد متعدد صوبوں کے دورے پر	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک

سالانہ	۱۵۰/روپے
فی شمارہ	۷/روپے
پاکستان	۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

رحمتوں کے سزاوار؟ امیدوار؟ یا بیزار

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں کا باب عالی ہمہ وقت وا رکھتے ہیں، کیونکہ ''ادیم زمین سفرۂ عام اوست'' بندوں کا عصیان وطغیان سببِ انتقام عاصیاں ہرگز نہیں بنتا کہ دررزق ان پر بست وبند ہوجائے، کیونکہ یہ اس کی رزاقیت کے منافی ہے اور اس کی ربوبیت سے میل نہیں کھاتا، اس لئے دوست ودشمن اس کے خوان یغماں سے یکساں فیضیاب وسیراب ہوتے رہتے ہیں۔ بندوں کی نافرمانی اور ان کی بے وفائی وہرجائی اسے ہرگز برانگیختہ نہیں کرتی کہ وہ ان کے بدترین اعمال کی پاداش اور انتقام میں ان پر عرصۂ حیات تنگ کردے۔ حالانکہ کچھ بندگان بے بندگی اور عاشقان عصیان وشیطان شر اور برائی اور بدبختی کو دعوت دینے میں عجلت کرتے رہتے ہیں مگر حلیم ورحیم وکریم مہلت دیتا چلا جاتا ہے۔ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (یونس:۱۱) ''اور اگر اللہ لوگوں پر جلدی سے نقصان واقع کردیا کرتا جس طرح وہ فائدہ کے لئے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ کبھی پورا ہوچکا ہوتا سو ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں''۔

وہ صاحب اسماء حسنی، بہترین ناموں اور صفات علیا اور باکمال وجمال، خوبیوں اور ذات بابرکات وستودہ صفات خصوصا رب العالمین ہونے کے ناطے کسی ذرہ حقیر اور خلق شرّیر اور پر تقصیر کو بھی اپنی ربوبیت کی دولت عام سے محروم نہیں کرتا۔ ایک نافرمان ونافرجام تک کو اسی طرح وجود بخشتا ہے ایک نطفہ بے مقدار سے لے کر شکم مادر میں بھی اور اس کے تندرست وتوانا اور جوان ہونے تک بلکہ اس کے حیات مستعار کے مکمل ہونے تک اپنے نیک وفرماں بردار بندوں کی طرح بلاتفریق اپنی ہر طرح کی دنیاوی نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے کوئی بھی انصاف پسند کافر ومسلم اور صالح وطالح اور نیک وبد کسی طرح کا فرق محسوس نہیں کرسکتا ہے۔ جس نظام اور نعمت میں اولیاء اللہ اور بندگان الہ برحق کے بچے پروان چڑھتے ہیں ٹھیک اسی نظام ونعمت میں اولیاء الشیطان سرکشان لات ومنات بھی محظوظ ومستفید ہوتے رہتے ہیں۔ عدل وانصاف اور حق وصداقت منبع ومصدر ذات باری تعالی ہے اور ادنی اور ذرہ بھر بھی کمی بیشی بندوں کے حق میں نہ کرنے والا اللہ جل شانہ ان دونوں ہی متضاد موقف رکھنے والے بندوں کو اپنی ربوبیت ونعمت سے محروم نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ''اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔'' (الاعراف:۱۵۶) اس کی عطا کردہ

شریعت وقانون بھی اپنی عمومیت وشمولیت اور جامعیت اور ناقابل ترمیم وناقابل تنسیخ ہونے اور مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ’’میرے یہاں بات بدلتی نہیں اور نہ میں اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا ہوں‘‘(ق:۲۹)اور لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ’’اللہ کی باتوں میں کچھ فرق نہیں ہوا کرتا‘‘(یونس:۶۴) کے باوجود اور وَّلَا تَاْخُذْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ ’’ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ’’ان پر اللہ کی شریعت کی حد جاری کرتے ہوئے تمہیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہیے، اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو‘‘(النور:۲) کے علی الرغم وہ اپنے بندوں پر اتنا رحیم وکریم ہے کہ اعلان کراتا ہے **ادرؤ الحدود بالشبہات** اور یہ کہ وہ ستار وغفار ہے۔ مجرم خود جرم کا مرتکب ہوا اور جرم چھپانے ،نشانات اور ثبوت جرم کو مٹانے جیسے جرائم کا ارتکاب کرتا چلا جارہا ہے تو اس کو یہ اجازت ہی نہیں خوشخبری سنائی جارہی ہے تم نے گناہوں پر پردہ ڈالدیا اور عنداللہ وعندالناس حیاء کرنے لگے تو ستار اس کو اپنے عفوودرگذر میں جگہ دے گا اور ستر فرمادے گا۔ گویا کہ اس کا قانون ازلی وابدی ہے کہ قصاص لیا جائے حدود قائم کئے جائیں اور ہر طرح کے قانون الٰہی کا نفاذ ہی زمین وآسمان کی بقا کی ضمانت ہے اور غضب الٰہی سے بچنے اور امن وآشتی کے قائم کرنے کے لئے لازم ولابدی ہے مگر واہ رے رحمت آقائے دوعالم اور بندہ نواز مولائے کریم - کہ وہ ایسی حالت میں بھی اپنی رحمت اور ستاریت کو مقدم کرتا ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے

عصیان، و رحمت پروردگار ما
آن را نہایتے است نہ ایں را نہایتے

یہ میرے گناہوں کی ڈھیر ہے، اور یہ میرے پالنہار کی رحمت بے کراں ہے۔ اگر یہ بے حدوحساب ہے تو میرے آقا ومولی کی رحمتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔

یارب ان کبرت ذنوبی عظمۃ
فلقد عرفت ان عفوک اعظم

مذکورہ سطور میں اللہ کا رحم وکرم اور اس کی نعمتوں کی وسعتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تیسری طرف اللہ کے رسول محمد ﷺ بھی رحمۃ للعالمین ہیں۔ اور انسان کو تو اکرم واشرف بنایا گیا ہے اس کا تو پوچھنا ہی کیا مگر آپ ﷺ سارے عالم کے لئے اور اللہ کی ساری مخلوق کے لئے رحمت بیکراں بنا کر بھیجے گئے۔ گویا خالق اللہ جل شانہ رحیم ہے اور اس کے نبی سارے جہاں کے لئے رحمت ہی رحمت اور اس کا دین سراپا رحمت ہے پھر بھی مخلوق خصوصاً انسان اور بالاخص مسلمان رحمتوں سے دور ہوا اور زحمتوں اور مصائب وعذاب اور عتاب کا شکار ہو تو پھر یہ بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے ہر مومن کے لئے خصوصاً وہ رحمتوں کا سزاوار اور مستحق کیوں نہیں؟ اس سے دور اور بیزار کیونکر ہے؟ مایوسی جو کفر ہے اس کا شکار کیسے ہوگیا۔ اس کی وجہ منجملہ اور امور کے یہ بھی ہے کہ آج ہماری عبادتوں کا حال یہ ہے کہ ہمارے اعمال میں خلوص دور دور تک نظر نہیں آتا ہے، ہم عبادت کرتے ہیں لیکن وہ عبادت اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتی ہے۔ ہمارے دل ودماغ پر شیطانی کارندے اس قدر مسلط ہیں کہ وہ ہمیں جدھر چاہتے ہیں لے جاتے ہیں، اور وہ ایسی غفلت طاری کردیتا ہے کہ ہم چاہتے ہوئے بھی کوئی نیک عمل نہیں کرپاتے ہیں۔ ایسی بداعمالی اور کوتاہی کی تاریکی سے صرف اور صرف اللہ ہی حفاظت کرتا ہے اور اپنے نیک بندوں کو ثابت قدم رکھتا ہے۔ قرآن میں اس حقیقت کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ (ابراہیم:۲۷)’’ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے۔ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی ہاں ناانصاف لوگوں کو اللہ بہکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کر گزرے‘‘۔

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں بندہ اللہ کا ہوجاتا ہے اور اللہ بندہ کا ہوجاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کے مہینہ میں اپنے بندوں کو جو آفر اور پیشکش کی ہے اگر پورے انہماک اور دلجمعی کے ساتھ اس آفر پر عمل کرلیا جائے تو پھر دنیا کی بڑی سے بڑی دولت عبادت گزاروں کی عبادت کے آگے ہیچ ہے پھر کسی بھی طرح کی دولت کی ضرورت نہیں ہے، یہ سمجھ کر بندہ کی مغفرت وبخشش کا پورا سامان فراہم کردیا گیا۔ آج دنیائے انسانیت مختلف قسم کے مصائب وآلام سے کراہ رہی ہے، اس کے پاس دولت ہے لیکن سکھ نہیں ہے، پیسہ ہے لیکن صحت نہیں ہے، گھر ہے لیکن چین نصیب نہیں ہے۔ یعنی ہر طرف مصائب ومشکلات کا انبار ہے، لیکن ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اگر ہمارے اعمال نیک اور سنت نبوی کے مطابق نہیں رہے، اللہ کے نزدیک مقبول نہیں ہوئے تو اس دنیاوی مصائب وآلام سے بھی کہیں زیادہ کرب ناک گھڑی آنے والی ہے۔ جہاں پر انسان کے اعمال کے علاوہ کوئی بھی چیز کام میں نہیں آئے گی۔ محض انسان کے اعمال اس کا ساتھ دیں گے، باقی چیزیں زمین بوس ہوجائیں گی۔ بابرکت اور مغفرت والا رمضان کا مہینہ ہم سے گزر گیا۔ اللہ نے اس مہینہ میں ہم گنہگار بندوں کو نیکیاں کمانے کا موقع دیا تھا لیکن یہاں غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ کیا ہم نے اس بابرکت مہینہ میں اللہ کی عبادت کی، قیام کیا، بندوں کی حاجت روائی کی، بندوں کے دکھ درد کو سمجھنے کی کوشش کی، کیا ہم نے یتیموں، بیواؤں مسکینوں کی ضرورتوں کا خیال رکھا کیا ہم اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کامیاب رہے۔ رحمتوں کے سزاوار اور مستحق بننے کے یہی تو مواسم واوقات ہیں۔ یہ وہ سوالات ہیں جو ہمیں احساس دلا رہے ہیں کہ کیا ہم لوگ اپنے آپ کو اللہ کی رحمتوں کا مستحق بنانے میں کامیاب ہوئے کڑوا سچ یہ ہے کہ ہم نے اس رمضان کو بھی رواروی میں گزار دیا اور ہمیں اللہ کی رحمتوں کو حاصل کرنے کا جو موقع ملا تھا اس کو یکسر گنوادیا الا ماشاء اللہ

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (آل عمران:۱۱۰)’’تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے

لئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو‘‘۔اس آیت میں امت مسلمہ کو خیرامت قرار دیا گیا ہے اوراس کی علت بھی بیان کردی گئی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ امت ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو خیرامت ہے بصورت دیگراس امتیاز سے محروم قرار پاسکتی ہے۔اوراس کو وہ کھویا ہوا مقام دوبارہ واپس مل سکتا ہے جس کے بارے میں قرآن نے پیش گوئی کی ہے۔

امت مسلمہ پوری دنیائے انسانیت کے لئے خیرامت بن کرآئی تھی لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ آج ہم خودفرائض وواجبات سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں ،عبادت کا اہتمام نہیں ہے،عبادت کی روحانیت مفقود ہوتی جارہی ہے،عبادت کی جگہ ہماری زندگی اورمعاشرہ میں خرافات اور لایعنی باتیں درآئی ہیں،آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم دوسروں سے خیر وفلاح اور اصلاح کی امید بے کراں رکھتے ہیں لیکن خود فرائض اورواجبات سے اس قدر غافل ہوگئے ہیں کہ ہمارے ذہن سے یہ نکتہ تقریباً نکل چکا ہے کہ دوسروں کی بہ نسبت ہماری ذمہ داریاں زیادہ ہیں لیکن اپنی مسؤلیات سے ہم بالکل بے پرواہ ہیں۔نیکیاں ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہماری نیکیاں اور اچھائیاں ہم سے بیزار ہیں۔بے زاری کی ایک ادنی دلیل یہ ہے کہ رمضان کے گزرنے کے بعد ہم پہلے کے مقابلہ میں اپنے پروردگار سے بہت دور ہوگئے۔عبادت کی صورت حال یہ ہے کہ عید کے دن بھی دنیاوی مصروفیات میں اتنا غرق ہوجاتے ہیں کہ عیدالفطر کے دن عین نماز کے وقت بھی عیدگاہ میں حاضر نہیں ہو پاتے ہیں۔یہ سب ہماری کوتاہیوں کا غماز ہیں۔

انسان کے لئے آخری چیز امید ہے اورامید کا ختم ہوجانا بیزاری کی انتہا ہے۔امید ختم ہونے کے بعد کفراور مایوسی بچتی ہے۔جبکہ اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر اپنے بندوں کو مایوسی سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (النور:۵۳)ترجمہ:’’(میری جانب) سے کہہ دو کہ اے میرے بندو!جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ۔بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے،واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے‘‘

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یونس:۸۷)ترجمہ:’’اوراللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔یقیناً رب کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔‘‘

انسان کی غلط فہمی یہ ہے کہ وہ سوچتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں گناہ پر گناہ کئے ہیں۔اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں حقوق العباد اورحقوق اللہ کو ادا کرنے میں غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کیوں معاف کرے گا لیکن انسان کی یہ سوچ سراسر غلط ہے۔اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے وہ اپنے بندوں سے بے پناہ محبت کرتا ہے شرط یہ ہے کہ بندہ اپنے گناہوں سے تائب ہوکر اللہ سے لولگائے لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ اللہ کی رحمت اورمغفرت کی امید ورضا پر گناہ کرتا جائے،اللہ کے احکام وفرائض کی پرواہ نہ کرے اوراللہ کے حدود وقیود فرائض وواجبات کو پامال کرتا رہے اور یہ سوچے کہ اللہ تو ہمیں معاف کردے گا۔یہ امید سراسر دھوکہ ہے اور ہم غلط فہمی کا شکار ہیں۔یہ اتنا بڑا فریب اورامید کی اتنی منافی چیز ہے کہ اگر قوم واقعی اس فکر وسوچ میں مبتلا ہوجائے تو وہ بے جا اور بے فیض امید کی دلدل میں دھنستی چلے جائے گی۔اسی سراب امید کا ہی نتیجہ ہے کہ آج پوری انسانیت اورملت دھوکہ کھاتی چلی جارہی ہے۔فوز وفلاح کے راستہ سے دور ہوتی جارہی ہے۔وہ بے سمتی کا شکار ہے،اسے اپنا سچا رہبر قرآن وحدیث کی تعلیمات کو سمجھنے کے بجائے ایک موہوم چیز سے امید لگائے بیٹھا ہے۔ایسی صورت حال میں امت مسلمہ سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ رہبری کا فریضہ انجام دے گی۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ترسم بہ کعبہ نہ رسی اے اعرابی
کہ رہ کہ تو می روی بترکستان است

ملکی اورعالمی سطح پر حالات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں۔ان حالات کو اپنے حق میں سازگار بنانے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے خالق کو پہچانیں، عبادتوں کا اہتمام کریں تلاوت کریں،مسنونہ دعاؤں کا اہتمام کریں۔توبہ واستغفار کریں اوراپنے اسلاف کے طرز زندگی کو اپنانے کی کوشش کریں،اللہ سے لولگائیں ناامیدی اور مایوسی کسی بھی مسئلہ کا حل نہیں ہے،مایوسی ہمیں ناکامی کی طرف لے جاتی ہے،مصائب ومشکلات سے گھبرانے کے بجائے اس کا حل ڈھونڈنے کی ضرورت ہے، دنیا کا کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل قرآن وحدیث اور ہمارے اسلاف نے نہ پیش کیا ہو۔شرط یہ ہے کہ ہم اخلاص،جذبہ اورایمانداری کے ساتھ قرآن وحدیث کی تعلیمات کو اپنا حرز جان بنائیں۔اسلام کی سچی تعلیمات کو پوری دنیائے انسانیت تک پہنچانے کا عزم کریں اورایسی فریبی امید سے احتراز کریں جو ہمیں محض دھوکہ اور تاریکی میں رکھتی ہے۔خصوصاً دین بیزار نہ ہوں،انسانیت کے جوہر سے عاری نہ ہوں۔بھلائی وخیرخواہی خالق ومخلوق سے دامن کش نہ ہوں،عمل وقول اور کردار سے دوری ومہجوری اللہ کی رحمتوں سے بیزار اور محروم ہونے کی علامت اوراصل وجہ ہے۔اس لئے اللہ کی رحمتیں ہرسطح پر معاشی،سیاسی،دینی،دنیاوی،علمی وتربیتی اوراخلاقی ہر اعتبار سے روٹھتی چلی جارہی ہیں۔کاش کہ ہم اس رحیم وکریم رب کا ہوکر رحمتوں کا سزاوار بن جائیں اس کی طرف رجوع کرکے اس کے انعام کا امیدوار بن کر اور دین واخلاق بیزاری سے برأت حاصل کرکے کامیاب وکامران ہوجائیں۔ ☆☆

اسلام میں سنت کا مقام

تحریر: علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ
ترجمہ: عبدالولی عبدالقوی، سعودی عرب

الحمد لله رب العالمين و صلى الله و سلم و بارک على عبده و رسوله المبعوث بالحق رحمة للعالمين و على آله و صحبه و من تبع سنته إلى يوم الدين. وبعد:

دراصل یہ ایک تقریر ہے جسے علامہ محمد ناصر الدین الالبانی نور اللہ مرقدہ وأسکنہ الفردوس الأعلی نے قطر کے دار السلطنت دوحہ میں رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ میں ''اسلام میں سنت کی اہمیت'' کے موضوع پر پیش کیا تھا، بعض برادران کے مشورہ پر قدرے ترمیم اور ذیلی سرخیوں کے اضافہ کے ساتھ نذر قارئین ہے۔ اللہ شیخ کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اجر جزیل سے نوازے۔ آمین (از مترجم)

۞ قرآن کریم میں سنت کا کردار:

ہر ایک کو اس بات کا علم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت ونبوت کے لئے منتخب فرمایا، چنانچہ آپ پر اپنی کتاب قرآن کریم نازل کیا جس میں من جملہ بہت ساری باتوں کے آپ کو اس بات کا حکم دیا کہ قرآن کریم کو لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کریں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [النحل:۴۴]

یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل کیا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ آیت کریمہ میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) جس بیان وتوضیح کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ دو طرح کے بیان وتوضیح کو شامل ہے:

ایک قرآن کریم کے الفاظ اور اس کی ترتیب کی وضاحت یعنی قرآن کریم کی تبلیغ کرنا، اس کے کسی حصہ کو نہ چھپانا اور امت تک اسی طرح پہنچا دینا جس طرح اللہ سبحانہ وتعالی نے رسول اللہ ﷺ کے دل پر نازل فرمایا ہے، اور مندرجہ ذیل فرمان الٰہی سے یہی مراد ہے:

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ [المائدۃ:۶۷] اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''من حدثكم ان محمدا كتم شيئا أمر بتبليغه فقد أعظم على الله الفرية''

جو تم سے یہ کہے کہ محمد ﷺ کو (اللہ کی جانب سے) جن باتوں کے امت تک پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا ان میں سے کچھ چھپا لیا تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا، پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مذکورہ بالا فرمان الٰہی کی تلاوت کی۔ [بخاری ومسلم]

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''لو كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كاتما شيئا أمر بتبليغه لكتم قوله تعالى: ﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ﴾ [احزاب: ۳۷] رسول اللہ ﷺ کو (اللہ کی جانب سے) جن باتوں کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا اگر آپ ان میں سے کچھ چھپانا چاہتے تو اللہ تعالی کے (مندرجہ ذیل) فرمان کو چھپا لیتے:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ﴾ [احزاب:۳۷] (یاد کرو) جب کہ تو اس شخص سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے انعام کیا اور تو نے بھی کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے خوف کھاتا تھا حالانکہ اللہ تعالی اس کا زیادہ حق دار تھا کہ تو اس سے ڈرے۔

دوسرے اس لفظ، جملہ یا آیت کی وضاحت جس کے وضاحت کی امت محتاج ہے، بیشتر ایسا ان آیات میں ہوتا ہے جو مجمل عام یا مطلق ہوں، تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی، فعلی یا تقریری سنتوں سے مجمل کی وضاحت ہوتی، عام کی تخصیص اور مطلق کو مقید کیا جاتا ہے۔

۞ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے سنت کی ضرورت اور اس بارے میں چند مثالیں:

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ [المائدۃ:۳۸] چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ اس مسئلہ کی بالکل فٹ مثال ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے سنت کی ضرورت ہے، کیوں کہ مذکورہ آیت کریمہ میں لفظ ''سارق'' لفظ ''ید'' کی طرح مطلق وارد ہوا ہے، لہذا رسول اللہ ﷺ کی قولی سنت نے واضح کیا کہ لفظ ''سارق'' اس چور کے ساتھ مقید ہے جو چوتھائی دینار کی قیمت میں چوری کرے،

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"لا قطع الا فی ربع دینار فصاعدا "
چور کا ہاتھ نہیں کاٹنا ہے مگر چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں۔(بخاری ومسلم)
اور لفظ''ید'' کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کی قولی وتقریری سنت سے ہوتی ہے کہ صحابہ کرام چور کے ہاتھ کو کلائی کے پاس سے کاٹتے تھے جیسا کہ حدیث کی کتابوں میں یہ بات معروف ہے۔

اور مندرجہ ذیل آیت تیمّم:﴿فَامۡسَحُواْ بِوُجُوهِكُمۡ وَأَيۡدِيكُم﴾[النساء:۴۳ المائدۃ:۶](جب تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو) اور اسے اپنے منہ اور اپنے ہاتھ پر مل لو۔
مذکورہ آیت کریمہ میں''ید'' سے کیا مراد ہے، اس کا پتہ رسول اللہ کی قولی سنت سے چلتا ہے کہ''ید'' سے مراد''کف''، یعنی ہتھیلی ہے۔
جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:"التیمم ضربة للوجه و الكفین"، تیمّم میں چہرہ اور ہتھیلی کے لئے ہاتھ زمین پر ایک بار مارنا ہے۔
(مسند احمد بخاری ومسلم وغیرہم بروایت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ)
ہم ذیل میں بعض دیگر آیات کا ذکر کرتے ہیں، جنھیں اللہ سبحانہ وتعالی کی مراد کو صحیح طریقہ سے بغیر سنت کے نہ سمجھا جاسکا۔

۱۔اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان:﴿ الَّذِينَ آمَنُواْ وَلَمۡ يَلۡبِسُوٓاْ إِيمَانَهُم بِظُلۡمٍ أُوْلَئِكَ لَهُمُ الأَمۡنُ وَهُم مُّهۡتَدُونَ﴾[الانعام:۸۲]
جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے تو ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔
صحابہ کرام نے مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظ''ظلم'' کا عام مطلب (کوتاہی، غلطی، گناہ، زیادتی وغیرہ) سمجھا گرچہ وہ غلطی چھوٹی کیوں نہ ہو، اسی وجہ سے انھیں آیت کریمہ کے مفہوم میں اشکال پیدا ہوا اور عرض گذاز ہوئے، اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آیت کریمہ میں''ظلم'' سے مراد وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس سے مراد شرک ہے، کیا تم نے لقمان علیہ الصلاۃ والسلام کے قول کو نہیں سنا:﴿ إِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيمٌ﴾[لقمان:۱۳]
بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (بخاری ومسلم وغیرہما)

۲۔ ارشاد باری تعالی:﴿وَإِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِي الأَرۡضِ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ أَن تَقۡصُرُواْ مِنَ الصَّلاَةِ إِنۡ خِفۡتُمۡ أَن يَفۡتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوٓاْ﴾[النساء:۱۰۱]
جب تم سفر میں جارہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اگر تمھیں ڈر ہو کہ کافر تمھیں ستائیں گے۔
مذکورہ آیت کریمہ کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ نمازیں صرف اسی سفر میں قصر کی جائیں جس میں خوف ہو، اسی وجہ سے بعض صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ اب ہم قصر کیوں کریں جب کہ حالت امن میں ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"صدقة تصدق الله بها علیكم فاقبلوا صدقته"
یہ (سفر میں نمازوں کو قصر کرنا) اللہ کی طرف سے تمہارے لئے صدقہ ہے، اس کے صدقے کو قبول کرو۔(یعنی حالت امن میں بھی قصر کرو)

۳۔ فرمان الٰہی:﴿حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ وَالۡدَّمُ ....﴾ [المائدۃ:۳] تم پر مردار اور خون حرام قرار دیا گیا ہے.........
رسول اللہ ﷺ کی قولی سنت نے واضح فرمادیا کہ ٹڈی اور مچھلی کا مردار اور خون میں کلیجی اور تلی حلال ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"احلت لنا میتتان و دمان الجراد و الحوت و الكبد و الطحال "
ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال قرار دئے گئے ہیں بہر حال دو مردار تو وہ ٹڈی اور مچھلی (مچھلی اپنی تمام انواع کے ساتھ) اور دو خون تو وہ کلیجی اور تلی ہیں۔
(اس حدیث کو امام بیہقی وغیرہ نے مرفوعا اور موقوفا روایت کیا ہے، موقوف روایت کی سند صحیح ہے اور وہ مرفوع کے حکم میں ہے، کیوں کہ اس طرح کی بات عقل سے نہیں کہی جاسکتی)

۴۔اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان:﴿قُل لاَّ أَجِدُ فِي مَا أُوۡحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّماً عَلَى طَاعِمٍ يَطۡعَمُهُ إِلاَّ أَن يَكُونَ مَيۡتَةً أَوۡ دَماً مَّسۡفُوحاً أَوۡ لَحۡمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجۡسٌ أَوۡ فِسۡقاً أُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّهِ بِهِ﴾ [الانعام:۱۴۵]
اے نبی ﷺ کہہ دیجئے جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیوں کہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لئے نامزد کردیا گیا ہو۔
سنت نبویہ نے بعض چیزوں کو حرام قرار دیا جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں نہیں، مثلا رسول اللہ ﷺ کا فرمان:"كل ذی ناب من السباع و كل ذی مخلب من الطیر حرام" چیڑ پھاڑ کرنے والے ہر درندے اور پنجے سے شکار کرنے والے ہر پرندے کا (کھانا) حرام ہے۔
نیز اس باب میں رسول اللہ ﷺ سے اور بھی احادیث وارد ہیں، جیسے کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ کا فرمان:
"ان الله و رسوله ینهیانكم عن الحمر الانسیة فانها رجس "
بیشک اللہ اور اس کے رسول تمھیں پالتو گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں، کیوں کہ وہ ناپاک ہیں۔(بخاری ومسلم)

۵۔ارشاد باری تعالی:﴿قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِينَةَ اللّهِ الَّتِيَ أَخۡرَجَ لِعِبَادِهِ وَالۡطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزۡقِ ﴾ [الاعراف:۳۲] اے نبی ﷺ! آپ فرمایئے کہ اللہ تعالی کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے۔
نیز سنت نبوی نے بھی بعض ایسی زینتوں کو بیان کیا جو حرام ہیں جیسا کہ رسول اللہ

ﷺ ایک روز اپنے صحابہ پر نکلے، آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: "هذان حرام على ذكور أمتي حل لإناثهم" یہ دونوں میری امت کے مردوں کے لئے حرام اور عورتوں کے لئے حلال ہیں۔ (حاکم ،امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے)

بخاری ومسلم اور دیگر کتب حدیث میں اس مفہوم کی احادیث بہت زیادہ اور معروف ہیں، نیز مذکورہ مثالوں کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن سے حدیث وفقہ کا علم رکھنے والے آشنا ہیں۔

برادران اسلام! مندرجہ بالا باتوں سے شریعت اسلامیہ میں سنت کی اہمیت واشگاف ہوتی ہے، اگر ہم صرف مذکورہ مثالوں پر دوبارہ نگاہ ڈالیں چہ جائے کہ وہ مثالیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہی نہیں، تو ہمیں یقین ہوجائے گا کہ سنت کو شامل کئے بغیر قرآن کریم کو سمجھنے کا کوئی راستہ نہیں۔

پہلی مثال میں صحابہ کرام نے آیت کریمہ میں مذکور لفظ ظلم سے اس کا ظاہری معنی (غلطی، گناہ، زیادتی وغیرہ) سمجھا جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ امت کے سب سے افضل، سب سے نیک دل، گہرے علم والے اور بے تکلف لوگ تھے باوجود اس کے ان سے لفظ ظلم کے سمجھنے میں غلطی ہوئی، اگر رسول اللہ ﷺ انھیں ان کی غلطی پر تنبیہ نہ کرتے اور صحیح معنی کی انھیں راہ نمائی نہ فرماتے کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے تو ہم بھی ان کے پیچھے غلطی کے شکار رہتے، لیکن اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد نبوی اور سنت محمدی کے فضل سے ہمیں اس غلطی کے شکار ہونے سے محفوظ رکھا۔

دوسری مثال میں اگر قصر صلاۃ کی رخصت سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہ ہوتی تو آیت کریمہ کے ظاہری مفہوم کے مطابق حالت امن میں نمازوں کے قصر کی بابت ہمارے دل میں برابر شک رہتا، گرچہ ہم قصر صلاۃ کے جائز ہونے کے لئے خوف کو شرط نہ مانتے، جیسا کہ بعض صحابہ کرام کے ذہن میں بھی یہ شبہہ پیدا ہوا، اگر انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو حالت امن میں نمازوں کو قصر کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا (تو ان کے ذہن میں برابر یہ شبہہ باقی رہتا)

تیسری مثال میں بھی اگر رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہ ہوتی تو ہم اللہ کی پاکیزہ، حلال کردہ چیز ٹڈی، مچھلی، کلیجی اور تلی کو اپنے اوپر حرام کر لیتے۔

چوتھی مثال میں اگر رسول اللہ ﷺ کی وہ چند احادیث نہ ہوتیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، تو ہم درندوں، پنجے سے شکار کرنے والے پرندوں کا گوشت حلال سمجھتے جنھیں اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے رسول کی زبان پر حرام قرار دیا ہے۔

اسی طرح اگر پانچویں مثال میں مذکور رسول اللہ ﷺ کی احادیث نہ ہوتیں، تو ہم سونے اور ریشم کو حلال سمجھتے، جنھیں اللہ نے اپنے رسول کی زبان پر حرام قرار دیا ہے، اسی وجہ سے بعض سلف نے کہا: "سنت قرآن کریم پر فیصل ہے"

۞ سنت کو چھوڑ کر صرف قرآن کریم پر اکتفا کرنے والوں کی گمراہی:

قابل افسوس بات یہ ہے کہ عصر حاضر میں بعض ایسے مفسرین اور خامہ نویس معرض وجود میں آئے ہیں جنھوں نے صرف قرآن کریم پر اعتماد کرتے ہوئے درندے کے گوشت اور (مردوں کے لئے) سونے اور ریشم کے پہننے کو مباح قرار دیا ہے، جن کا ذکر آخری دونوں مثالوں میں کیا گیا ہے، بلکہ دور حاضر میں تو ایک ایسی جماعت بھی منظر عام پر آئی ہے جو اپنے آپ کو "اہل قرآن" کہتے ہیں، وہ قرآن کریم کی تفسیر سنت صحیحہ سے مدد لئے بغیر مجرد اپنے دل ودماغ سے کرتے ہیں، بلکہ سنت ان کے نفسانی خواہشات کی تابع ہے، لہذا جو حدیث ان کے من کے موافق ہوتی اسے گلے لگاتے اور جو مخالف ہوتی ہے اسے پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک صحیح حدیث میں اس جماعت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: "لا ألفين أحدكم متكأ على أريكته يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول: لا أدري ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه"

خبردار! میں تم میں سے کسی کو اپنے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے نہ پاؤں کہ اسے میرے مامورات یا منہیات میں سے کوئی حکم پہنچے تو وہ کہے: میں نہیں جانتا ہم نے جو اللہ کی کتاب قرآن کریم میں پایا ہے بس اسی کی پیروی کی ہے۔ (ترمذی)

اور ترمذی کے علاوہ ایک دوسری روایت میں ہے:

"ما وجدنا فيه حراما حرمناه الا و اني أوتيت القرآن و مثله معه"

ہم نے اس کتاب (قرآن کریم) میں جو حرام پایا اس کو حرام گردانا، خبردار! مجھے قرآن کریم عطا کیا گیا اور اس کے ساتھ اسی جیسی چیز (سنت) بھی عطا کی گئی۔

نیز ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: "ألا إنما حرم رسول الله مثل ما حرم الله" "یاد رکھو جس چیز کو اللہ کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض فاضل تحریر نگاروں نے دین اسلام اور اس کے عقیدہ کے بارے میں کتاب تالیف کی اور اس کے مقدمہ میں لکھا، میں نے یہ کتاب تالیف کی اور میرے پاس قرآن کریم کے علاوہ کوئی اور مرجع نہیں۔

مذکورہ بالا صحیح حدیث ایک قطعی دلیل ہے کہ شریعت اسلامیہ صرف قرآن کریم نہیں بلکہ قرآن وسنت ہے، لہذا جس نے ایک کو چھوڑ کر صرف دوسرے کو پکڑا، اس نے ایک کو بھی نہیں پکڑا، اس لئے کہ دونوں ایک دوسرے کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا حکم دیتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ [النساء: ۸۰] "جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے اسی نے اللہ کی اطاعت کی"۔

نیز ارشاد باری تعالی ہے: ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً﴾ [النساء: ۶۵] "سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ

ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اورناخوشی نہ پائیں اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کرلیں''۔

نیز اللہ تعالی نے ایک دوسرے مقام پرارشاد فرمایا:﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا﴾ [الاحزاب:۳۶]''اللہ اوراس کے رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد یاعورت کواپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یادرکھو اللہ تعالی اوراس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا''۔

نیز فرمان الہی ہے:﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ [الحشر:۷]''رسول تمہیں جودیں وہ لےلو اور جس سے روک دیں اس سے باز آجاؤ''۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی مناسبت سے مجھے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ بہت اچھا لگتا ہے کہ ایک خاتون ان کے پاس آکر کہنے لگیں، آپ ہی کا یہ کہنا ہے:''لعن اللہ النامصات و المتنمصات و الواشمات.....'' آخرحدیث تک؟[اللہ نے بالوں کو اکھیڑنے اور اکھڑوانے والیوں، گدنا گودنے اور گدوانے والیوں پرلعنت فرمائی ہے]عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، خاتون کہنے لگی: میں نے قرآن کریم شروع سے آخر تک پڑھا لیکن مجھے آپ کا یہ قول نہ ملا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بولے: اگرتم اسے (اچھی طرح) پڑھتی تو ضرور پاتی، کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہ پڑھا﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ خاتون بولی، کیوں نہیں، ضرور پڑھا، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:''لعن اللہ النامصات.........'' آخرحدیث تک۔ (بخاری ومسلم)

۞ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے زبان دانی کافی نہیں:

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ کوئی بھی شخص قرآن کریم کو رسول اللہ ﷺ کی قولی وفعلی سنت سے مدد لئے بغیر نہیں سمجھ سکتا ہے، گرچہ اسے عربی زبان پر جتنی بھی دسترس ہو، وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے بڑا عربی داں نہ ہوگا جن کی زبان میں قرآن کریم نازل ہوا، اور جن کی زبان میں عجمیت، عامیت اوراصولی خرابیوں کا کوئی شائبہ تک نہ تھا، اس کے باوجود جب انھوں نے صرف اپنی زبان پر بھروسہ کرکے قرآن کریم کو سمجھنا چاہا تو مذکورہ بالا آیات کے سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی۔

مذکورہ گفتگو کے پیش نظر عقل وخرد کو جنبش دئے بغیر یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ انسان جس قدر سنت کا جانکار ہوگا وہ سنت کا علم نہ رکھنے والے کے مقابل اسی قدر قرآن کریم کے سمجھنے اوراس سے مسائل کے استنباط کا سزاوار ہوگا، تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو سرے سے سنت کو کسی شمار وقطار ہی میں نہ لائے اوراس کی جانب سرہی نہ اٹھائے؟

اسی وجہ سے اہل علم کے مابین یہ قاعدہ متفق علیہ رہا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر قرآن کریم اور سنت نبویہ پھر اقوال صحابہ سے کی جائے۔

انھیں باتوں سے ہر دور کے علماء کلام کی گمراہی کھل کر سامنے آتی ہے یعنی ان کا سنت اوراس کی معرفت سے دوری اختیار کرنا، صفات اور دیگر آیات سے متعلق اپنی عقل اورخواہشات نفسانی کو حاکم بنانا، نیز احکام ہی میں نہیں بلکہ عقائد تک میں سلف صالحین کی مخالفت کرنا۔

شرح العقیدۃ الطحاویہ صفحہ ۲۱۲ طبعہ نمبر ۴ پراس کے مؤلف نے کتنی عمدہ بات لکھی ہے:

''دین کے بنیادی مسائل کے بارے میں وہ شخص کیسے لب کشائی کرتا ہے جو اسے کتاب وسنت سے نہیں بلکہ فلاں اور فلاں کے قول سے لیتا ہے اور اگر قرآن کریم سے لیتا بھی ہے، تو پھراس کی تفسیر احادیث رسول اورصحابہ وتابعین کے قول سے نہیں لیتا، جو ہم تک ان ثقہ راویوں سے پہنچی ہیں جنھیں ناقدین (حدیث) نے منتخب کیا ہے، کیوں کہ انھوں نے صرف قرآن کریم کی ترتیب کو ہم تک نہیں پہنچایا بلکہ ترتیب کے ساتھ معنی بھی پہنچایا، وہ قرآن کریم کو بچوں کی طرح (بلاسمجھے ہوئے) نہیں سیکھتے تھے، بلکہ اسے معانی کے ساتھ سیکھتے تھے، لہذا جو سلف صالحین کی راہ کا راہی نہ ہو وہ اپنے عقلی گھوڑے دوڑائے گا اور جو قرآن کریم سے استفادہ کئے بغیر مجرد اپنی عقل سے کوئی بات بولے وہ گناہ گار ہے گرچہ اس کی بات صحیح ہو اور جو دین کتاب وسنت سے اخذ کرے وہ اجر وثواب حاصل کرنے والا ہے، گرچہ اس کی بات غلط ہوجائے اوراگر اس کی بات درست نکلے تو اس کے لئے دوہرا اجر وثواب ہے۔''

نیز صاحب شرح العقیدۃ الطحاویہ صفحہ ۲۱۷ پرفرماتے ہیں:

''ہم پر واجب ہے کہ ہم پورے طور پر رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری کریں، آپ کے حکموں کے سامنے سرتسلیم خم کریں، آپ کی ہر بات کو سچ مانیں اوراسے قبول کریں، باطل افکار ونظریات کو معقول کا نام دے کر آپ کی سنتوں کے خلاف پیش نہ کریں، ان کی بابت شک وشبہہ کے شکار نہ ہوں، لوگوں کی رایوں اوران کے ذہنوں کی گندگیوں کو احادیث رسول پر مقدم نہ کریں، چنانچہ فیصل ہونے، فرماں برداری اور سرتسلیم خم کرنے میں رسول اللہ ﷺ کو ایک مانیں جس طرح عبادت، جھکنے، تابعداری، توجہ اور توکل میں اللہ سبحانہ وتعالی کو ایک مانتے ہیں''۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سارے مسلمانوں پرواجب ہے کہ قرآن وسنت کے درمیان اس بارے میں فرق نہ کریں کہ ان دونوں سے ایک ساتھ اخذ کرنا اورایک ہی ساتھ انھیں دونوں پر شریعت قائم کرنا واجب ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے واضح لفظوں میں بیان فرمایا:''ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما ان تمسکتم بهما كتاب الله و سنتي و لن يتفرقا حتي يردا علي الحوض''

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے، ایک اللہ کی کتاب قرآن کریم، دوسرے

میری سنت، یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے (یعنی ایک دوسرے سے لازم و ملزوم رہیں گے) یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آجائیں''۔ (اس حدیث کو امام مالک نے مرفوعا اور امام حاکم نے موصولا بسند حسن روایت کی ہے)

۞ **ایک اہم تنبیہ:** مذکورہ بالا گفتگو کے بعد ہم بدیہی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ میں جس سنت کی اہمیت ہے یہ وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے علمی ذرائع اور ان صحیح سندوں سے ثابت ہوں جو حدیث اور اس کے رجال کا علم رکھنے والے علماء کے یہاں معروف ہوں (واضح رہے کہ) سنت سے مراد وہ روایات نہیں ہیں جو تفسیر، فقہ، ترغیب و ترہیب، رقائق اور مواعظ وغیرہ کی مختلف کتابوں میں ہیں جن میں بہت سی احادیث ضعیف، منکر اور موضوع ہیں اور بعض تو ایسی ہیں کہ ان سے دور کا بھی اسلام کو واسطہ نہیں ہے جیسے کہ ہاروت وماروت کی حدیث، قصہ غرانیق، اس قصہ کے ابطال میں میرا ایک مستقل کتابچہ ہے، جو مطبوع ہے اور اس کے ایک بڑے حصہ کی تخریج میں نے اپنی ضخیم کتاب ''سلسلة **الأحاديث الضعيفة و الموضوعةو أثرها السيئ في الأمة**'' میں کی ہے۔

لہذا جملہ علماء کرام اور خصوصا فقہاء ومفتیان پر ذمہ داری ہے جو لوگوں کو فقہی مسائل سے روشناس کراتے اور دینی مسائل میں انھیں فتوے دیتے ہیں کہ کسی حدیث کو اس کے ثبوت کی پختگی کے بغیر دلیل نہ بنائیں، فقہی کتابیں اصل مرجع نہیں ہیں اصل مرجع کتاب وسنت ہے۔

۞ رائے سے متعلق معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت کا ضعف اور اس میں قابل رد باتیں:

اس گفتگو کے ختم کرنے سے پہلے میں اپنے اوپر ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مجلس میں موجود دینی بھائیوں کی توجہ ایک مشہور حدیث کی جانب مبذول کراؤں جس سے اصول فقہ کی شاید ہی کوئی کتاب خالی ہو، کیوں کہ وہ حدیث از روئے سند ضعیف اور اس اہم مسئلہ سے متعارض ہے جس تک آج کی اس تقریر میں ہماری رسائی ہوئی ہے کہ شریعت میں کتاب وسنت کے درمیان فرق کرنا جائز نہیں، بلکہ ان دونوں کو ایک ساتھ لینا واجب ہے۔

وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے (جسے ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں)

رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا: تم کس چیز سے فیصلے کروگے؟

تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی کتاب قرآن کریم سے

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اگر تمھیں وہ بات قرآن کریم میں نہ ملے (تو کیا کروگے)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی سنت سے (فیصلے کروں گا)

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اگر سنت رسول میں نہ ملے

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: بلا کسی کوتاہی کے اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام تر تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے پیغامبر کو اس بات کی توفیق دی جسے رسول اللہ ﷺ پسند فرماتے ہیں۔

رہا مسئلہ مذکورہ روایت کی سند کے ضعیف ہونے کا، تو یہ اس کے بیان کا موقع نہیں ہے، میں نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ ''سلسلة الاحاديث الضعيفه والموضوعه ح ۸۸۵'' میں ذکر کیا ہے، شاید مجھ سے پہلے کسی نے اس کو بیان نہیں کیا، میرے لئے بس اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ حدیث میں مومنوں کے سرتاج امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔

اب میں مندرجہ ذیل سطور میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود تعارض کو پیش کرتا ہوں، یہ روایت تین مرحلوں میں فیصلہ کار کے لئے ایک طریقہ متعین کرتی ہے کہ فیصلے عقل میں تلاش نہ کئے جائیں الا یہ کہ سنت میں نہ ملیں اور سنت میں تلاش نہ کئے جائیں الا یہ کہ قرآن کریم میں نہ ملیں۔

سارے علماء کے نزدیک اس روایت میں رائے سے متعلق تو صحیح طریقہ کار پیش کیا گیا ہے کہ فیصلوں میں اپنی رائے کو دخل نہ دیا جائے الا یہ کہ سنت میں نہ ملے، اسی وجہ سے علماء کا کہنا ہے: ''اذا ورد الاثر بطل النظر'' اثر (سنت) کے آجانے پر عقل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

لیکن اس روایت میں سنت سے متعلق صحیح بات نہیں کہی گئی ہے، کیوں کہ سنت قرآن کریم پر فیصل اور اس کی وضاحت کرنے والی ہے، لہذا فیصلے سنت میں تلاش کئے جائیں گرچہ قرآن کریم میں موجود ہوں، چنانچہ سنت کا معاملہ قرآن کریم کے ساتھ اس طرح نہیں ہے جس طرح رائے سنت کے ساتھ ہے، ہرگز نہیں، بلکہ کتاب وسنت کو ایک مصدر سمجھنا واجب ہے، ان دونوں کے درمیان قطعا فرق نہیں کرنا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے اس کی جانب اشارہ ملتا ہے:

''الا انی أوتيت القرآن و مثله معه'' خبردار! مجھے قرآن کریم اور اس کے ساتھ اسی جیسی چیز (سنت) دی گئی ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان: ''لن يتفرقا حتى يردا على الحوض''

''یہ دونوں (کتاب وسنت) ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے (یعنی ایک دوسرے سے لازم وملزوم رہیں گے) یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آجائیں''۔

لہذا کتاب وسنت میں مذکورہ ترتیب قائم کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ اس سے ان دونوں کے درمیان تفریق لازم آتی ہے جو مذکورہ گفتگو کی روشنی میں باطل ہے۔

انھیں باتوں سے متعلق میں نے آپ کو آگاہ کرنا چاہا تھا، اگر میری باتیں درست تھیں، تو اللہ کی جانب سے اور اگر غلط تھیں تو میری جانب سے، میں اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ ہمیں اور آپ کو لغزشوں اور مرضی الہی کے خلاف کاموں سے محفوظ رکھے۔**و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين**

☆☆☆

بموقع ۳۴ ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

مولانا محمد اسلم مدنی

شادی بیاہ میں فضول خرچی ایک سماجی خرابی

الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين وبعد:

قال الله تبارك وتعالىٰ فى القرآن المجيد اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف: ۳۱)

واضح رہے کہ دین اسلام ایک کامل مکمل بلکہ اکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں قیامت تک آنے والی نسلوں کی تمام مشکلات اور مسائل کا حل موجود ہے، جیسا کہ رب ذوالجلال کا فرمان ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ: ۳) یہ اسلام دین فطرت ہے لہٰذا اسی بناء پر اس کی تعلیمات فطرت کے عین موافق ہیں، جو چیزیں فطرت کے مخالف ہیں اسلام ان پر قدغن لگاتا ہے۔ جن چیزوں سے انفرادی اور اجتماعی فائدہ ہوتا ہے اس کی ترغیب دیتا ہے اور جن کاموں سے انفرادی یا اجتماعی محبتوں کا خون چوسا جاتا ہے ان کے تمام دروازے بند کر دیتا ہے۔ اسلام نہایت اعتدال کے ساتھ ہر انسان کو زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ انسان کی نجی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، خوشی کا ماحول ہو یا غم کا، تجارت کا میدان ہو یا عبادات کی چار دیواری، ملکی مسائل ہوں یا خانہ داری امور، داخلی سیاست ہو یا خارجی سیاست، ماکولات ومشروبات کے مسائل ہوں یا ملبوسات ومفروشات کے قواعد، تعمیرات یا عمرانیات کے اصول ہوں یا دیگر ضروریات اور معاملات، اسلام نہایت انصاف کے ساتھ ان تمام امور کا تعین اور تحدید وتفصیل بیان کرتا اور انسان کو افراط وتفریط سے بچاتا ہے، اسلام انسان کو زندگی گزارنے کا نہایت آسان راستہ سکھاتا ہے اسلام انسان کو خوددار اور کفایت شعار بناتا ہے غفلت اور آوارہ گردی سے اس کی حفاظت کرتا ہے، بخل وبزدلی سے اس کو دور رکھتا ہے اور اسراف وتبذیر سے اس کو منع کرتا ہے۔ اسلام کی ایک عمدہ خوبی ہے حسن معاشرت لوگوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنا، صلہ رحمی کرنا، اسی بنا پر رہبانیت اور درویش کی زندگی کی مذمت کرتا ہے حسن معاشرت میں سب سے بہترین بندھن میاں اور بیوی کی زندگی ہے۔ جو ایک نیک بندھن یعنی شادی سے شروع ہوتی ہے۔

شادی اور دین اسلام: شادی اور نکاح ایک پاکیزہ رشتہ ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ نے کئی ایک شادیاں کر کے امت کو ترغیب دلائی اور بہترین اسوہ پیش کیا۔ اپنے عمل سے ترغیب دینے کے باوجود قولی اعتبار سے بھی صحابہ کرام کو ترغیب دلائی۔ یا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء (البخاری ۵۰۶۵ کتاب النکاح)

جو صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ کی عدم موجودگی میں شادی نہ کرنے، رات میں نہ سونے کا ارادہ کر چکے تھے آپ ﷺ نے نصیحت کے بعد فرمایا تھا فمن رغب عن سنتي فليس مني (البخاری ۵۰۶۳ ومسلم ۱۴۰۱) جو صحابہ کرام شادی سے بچنے کے لئے خصی کا ارادہ رکھتے تھے آپ ﷺ نے ان کو اجازت نہ دی۔ شریعت اسلامیہ نے جہاں شادی کرنے کے کئی فوائد گنائے وہیں دوسری طرف شادی نہ کرنے، رہبانیت کی زندگی گزارنے کے کئی نقصانات بتلائے۔ اور شادی کے تعلق سے ہر طرح سے رہنمائی فرمائی کیونکہ شادی قانون فطرت ہے، انبیاء کرام کی سنت ہے، تسکین نفس کا حلال طریقہ ہے۔ افزائش نسل کا ذریعہ ہے۔ انسانی معاشرہ کی بنیاد ہے۔ پیار ومحبت الفت وانسیت کی عمدہ مثال ہے خود کے پاؤں پر کھڑے ہونے، ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے اور اپنا گھر آباد کرنے اور خاندان بڑھانے کی علامت ہے۔ ایک نئی زندگی کی شروعات ہے، اس لئے شادی بیاہ کے موقعہ پر دلہا اور دلہن، ماں باپ، بھائی بہن، عزیز واقارب، دوست واحباب کا خوش وخرم ہونا فطری بات ہے، شادی بیاہ کے موقعہ پر فرط مسرت کا اظہار کرنا انسانی طبیعت میں داخل ہے، اس کو روکا نہیں جا سکتا ہے۔ خود شریعت اسلامیہ نے شرعی حدود میں رہتے ہوئے اظہار خوشی کی اجازت دی ہے۔ یہی نہیں بلکہ عورتوں اور بچیوں کے لئے دف تک بجانے کی اجازت دی ہے۔

دعوت ولیمہ کا اہتمام کرنا از روئے شرع مسنون قرار دیا گیا۔ نیز دعوت ولیمہ میں شرکت نہ کرنے والے کو ناپسند کیا گیا۔ دوسروں کی خوشی میں شریک ہونا، دعائے خیر کرنا، مبارکبادی کے تبادلے کی ترغیب دی گئی ہے۔ تاہم انسانی فطرت میں غلو وزیادتی ہے۔ حدود کو تجاوز کرنا، غرور وتکبر اور فخر ومباہات ہے۔ اظہار برتری اور دوسرے کی تحقیر واہانت کرنا ہے۔ پر رب ذوالجلال کا شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں دین اسلام جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا اور تاقیامت ساری انسانیت کی رشد وہدایت کے لئے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے سیدھی راہ بتلائی، اچھائی اور برائی کی تمیز کرائی، عدل واعتدال اور میانہ روی کا سبق پڑھایا، نہ بخالت کو پسند کیا اور نہ فضول خرچی کو روا رکھا۔ دین ودنیا کے ہر معاملہ میں اقتضاء فطرت کو ملحوظ رکھا اور میانہ روی کی تعلیم دی اور یہ پیغام دیا کہ "ان الدين يسر ولن يشاد الدين الا غلبته فسددوا وقاربوا وابشروا" (بخاری، ۳۹، کتاب النکاح) بے شک دین آسان ہے اور جو دین میں بے جا سختی کرتا ہے تو دین اس پر

غالب آجاتا ہے۔شادی بیاہ جیسے اہم موقعہ پر بھی آپ ﷺ نے اعتدال کا درس دیا۔ فرمایا "خیر النکاح ایسرہ"(رواہ ابن حبان وصححہ الالبانی والصحیح الجامع ۳۳۰۰) نیز فرمایا "التمس ولو خاتما من حدید" (البخاری ۵۱۲۱، کتاب النکاح) آپ ﷺ نے اپنے ان تمام ارشادات سے امت کو سادگی سے شادی کا حکم دیا۔لیکن اس امت نے جس طرح دوسرے تمام معاملات میں غیروں کی نقالی کی اس امر یعنی نکاح جیسی عظیم سنت میں بھی غیروں سے رسم ورواج اور خرافات میں آگے نکل گئی اور فضول خرچی کے تعلق سے دی ہوئی تعلیمات کو فراموش کر دیا جبکہ فضول خرچی کتنی بری شئی ہے چند سطور سے آپ اندازہ لگائیں کہ یہ کتنی خطرناک ہے جس خاندان، معاشرہ اور سماج میں یہ بیماری آجاتی ہے وہ سماج، خاندان دنیا ہی میں جہنم بن جاتا ہے۔

فضول خرچی اسلامی تناظر میں: اسلام ہر شعبۂ زندگی میں سادگی، اعتدال اور میانہ روی کی تلقین کرتا ہے۔فضول خرچی عیش وعشرت اور نمود ونمائش سے نہ صرف منع کرتا ہے بلکہ اس کی شدید مذمت بھی کرتا ہے قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف:۳۱) کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو بے شک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

فضول خرچی کی نہ صرف مذمت کی گئی بلکہ سخت تنبیہ کی گئی ہے اور ایسے کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل:۲۶،۲۷) اس آیت کریمہ میں ناجائز امور میں خرچ کرنے والے شخص کو شیطان کا بھائی قرار دے کر اس عمل قبیح کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی۔ایسا ہرگز نہیں کہ اسلام مال خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ اسلام تو بخیلی سے بھی روکتا ہے فرمان الٰہی ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل:۲۹) بلکہ اسراف اور فضول خرچی کو ایک فرعونی عمل قرار دیا گیا ہے۔فرمان الٰہی ہے۔وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ (یونس:۸۳) دوسری جگہ مسرفین کو جہنمی قرار دیا گیا"وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ (المومن:۴۳) فضول خرچی مال کا ضیاع ہے۔آپ ﷺ نے مال کے ضیاع سے منع فرمایا۔وکرہ لکم قیل وقال وکثرۃ السؤال واضاعۃ المال (متفق علیہ) نیز نبی اکرم ﷺ نے کھانے پینے کا حکم دینے کے ساتھ دوضابطے مقرر کئے فرمایا:کل واشرب والبس وتصدق فی غیر سرف ولا مخیلۃ (احمد: ٦٦٩٥)

ان تمام دلائل کے ہونے کے باوجود آج مسلم معاشرہ فضول خرچی کی بیماری میں گرفتار ہے۔فرد سے لے کر معاشرہ تک آج اس بیماری کی جال میں پھنسا ہوا ہے۔

آدمی اپنی ناک اونچی کرنے کی خاطر اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے کی کوشش کرتا ہے جس کے نتیجے میں پریشانیوں میں پڑتا ہے، اور ذلت ورسوائی تک کی نوبت آپہنچتی ہے۔نمود ونمائش کے لئے آدمی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی سوچ میں اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرتا ہے۔اس کے لئے یا تو اسے قرض کے بوجھ سے پریشان رہنا پڑتا ہے یا ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کی فکر کرنی پڑتی ہے۔جس سے معاشرہ میں گداگری، چوری، رہزنی، بلیک میلنگ وغیرہ خرابیاں جنم لیتی ہیں۔انفرادی فضول خرچی سے فرد بے چینی، پریشانی، مفلسی وذلت سے متاثر ہوتا ہے اور اجتماعی فضول خرچی سے قومی وملکی معیشت بحران کا شکار ہوتی ہے۔

شادی میں بے جا رسوم، غیر ضروری نمود ونمائش اور اخراجات میں جذبہ تفاخر کے سبب معاشرے میں بے شمار برائیاں جنم لے رہی ہیں، شادی جو معاشرے کے لئے ایک بے بہا نعمت ہے گھوڑے اور جوڑے کی رقم کی لعنت نے اسے زحمت میں تبدیل کر دیا ہے۔معاشرہ میں اپنی ناک بچانے کی خاطر ایک غریب انسان اپنی بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو رہا ہے۔ دوسری طرف ایک غیور وخود دار غریب کی نوجوان بیٹی شادی کی عمر سے گزر رہی ہے اور اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔غرضیکہ زنا آسان ہو گیا ہے اور نکاح مشکل، فضول خرچی کی لعنت نے پورے مسلم معاشرے سے برکت کو ختم کر دیا ہے۔فضول رسم ورواج میں پڑ کر آج مسلمان تباہ وبرباد ہو رہا ہے امن وسکون ختم ہو چکا ہے۔انسانیت دم توڑ رہی ہے۔خون پسینے کی کمائی ایک دن کی خوشی کے لئے پانی کی طرح بہا کر رب کی ناراضگی خرید رہا ہے۔اخیر میں غیور مسلمانوں کو چند نصائح دینا چاہتا ہوں تاکہ ان کی اصلاح ہو سکے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ذمہ داران جمعیت وجماعت، مصلحین علماء کرام ایسی شادیوں میں حتی الوسع پہنچنے کی کوشش کریں اور اصلاح کی ہر ممکن کوشش کریں تاکہ مسلمان سادگی سے شادی کر سکیں۔

ان تمام اخراجات کو جمع کر کے خدمت خلق اور رفاہ عامہ میں خرچ کریں۔ مسلمانوں کے لئے اسپتال، اسلامک جامعات، نیوز چینل، دعوہ سینٹر اور دیگر دوسرے امور میں ان قیمتی سرمایہ کو لگائے تاکہ امت کی پسماندگی دور ہو اور امت ذلیل وخوار ہونے کے بجائے عزت کے ساتھ زندگی گزارے۔

خود اسوہ بن کر، بخل وفضول خرچی کی مذمت بیان کر کے، اعتدال کی راہ پر گامزن ہوں۔

سنجیدگی سے سوچیں فخر ومباحات، ناچ گانے، جہیز، جیسی لعنت والی، چیزیں کر کے صرف دو دن کی خوشی کے لئے سالہا سال قرض کی ادائیگی میں پریشان ہونا اور دوسروں کو پریشان کرنا کیا یہ سب ایک مسلمان کو زیب دیتا ہے؟

اخیر میں رب ذوالجلال سے دعا ہے کہ ہمیں سادگی کے ساتھ شادی کرنے اعتدال ومیانہ روی کے ساتھ زندگی گزارنے اور بخل وفضول خرچی جیسی مہلک بیماریوں سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔آمین

☆☆☆

عدل وانصاف کے پیکر....حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر محمد صالح طاہر

عدل کی تعریف ہمارے چند ممتاز اکابرین اس طرح فرماتے ہیں:

(۱) حضرت علی ہجویری و امام غزالی کی نظر میں عدل کا مفہوم یہ ہے کہ

''کسی چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھا جائے''

(۲) سید سلیمان ندوی اس کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ

''جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے''

(۳) سید ابوالاعلیٰ مودودی کی نظر میں

''عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن وتناسب قائم ہو، دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔''

گویا عدل وانصاف کے معنی ہیں ہر ایک انسان اور ذی روح سے یکساں اور مناسب سلوک کرنا۔ تمام لوگوں کو ایک ہی نظر سے دیکھنا، امیر و غریب، گورے کالے، عربی عجمی، اور شاہ و گدا کی تمیز کو ختم کرنا۔ ایک اچھے منصف کے لئے یہ بات لازم ہے کہ وہ ان سب کو ایک ہی نظر سے دیکھے۔ اس طرح کے مثالی منصف کو نڈر و بیباک، بے لوث و بے غرض اور صادق وامین ہونا چاہیے تاکہ وہ ہر کسی کے ساتھ انصاف روا رکھ سکے اور لوگ اس کے سابقہ کردار کو اچھی طرح جانتے ہوں تاکہ سب کو اطمینان ہو کہ ان کے ساتھ ہر حال میں انصاف ہی ہوگا۔

آیئے ذرا اس ہستی کے شب وروز کا مطالعہ کریں جسے حق تعالیٰ نے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا۔ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ حقیقت ہم پر روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ جب بھی آپؐ کے سامنے کوئی مقدمہ یا مسئلہ لایا گیا تو آپؐ نے بلا امتیاز رنگ ونسل و مذہب ہر کسی کے ساتھ انصاف کیا۔ خواہ آپؐ سے انصاف کا طالب کوئی اپنا تھا یا غیر....!

اللہ وحدہ لاشریک اس بات پر شاہد ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کو اس جہاں میں منصف اعلیٰ بنا کر بھیجا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام بہت جلد عام لوگوں کے دلوں میں گھر کر گیا۔ ورنہ آپؐ سے قبل دنیائے عرب گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈبکیاں کھا رہی تھی۔ ہر طرف ظلم وستم کے دور دورہ تھا۔ حقیقی انصاف نام کی چیز دنیا سے ناپید تھی۔ حالانکہ عدل وانصاف کرنا سب سے مقدم اور اہم فریضہ ہے اس لئے کہ عدل وانصاف کے بغیر معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا اور نہ انسانی حقوق کی ادائیگی ہوسکتی ہے۔ اس لیے آپؐ نے عدل وانصاف کو قائم کرنے کا حکم دیا۔ اس متاع بے بہا کو دنیا میں اس طرح متعارف کروایا کہ آپؐ کے فیصلوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کئی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی مثالی زندگی کے چند روشن واقعات حسب ذیل ہیں۔ جو آپ کی شخصیت کے اس پہلو کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوں گے۔

سرداران قریش: قریش اور عرب کے سرداران نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے کہا: ہم تمہارے پاس کیسے آکر بیٹھیں، تمہاری مجلس میں ہر وقت غریب، مفلس اور نچلے طبقے کے لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹاؤ تو ہم آکر بیٹھیں گے۔ مگر وہ نبی جو رنگ ونسل، اونچ نیچ کے طلسم کو توڑنے کے لئے آیا تھا، اس نے ان سرداروں کی خاطر غریبوں کو دھتکارنے سے انکار کردیا.... یہ واقعہ مفسر حافظ ابن کثیر نے سورۃ الانعام کی آیت ۵۲ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے جو اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ آپؐ کی نظر میں ذات پات کی کوئی تمیز اور ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

الصادق والامین: جبکہ ہر طرف عیاشی کا چرچا اور دھڑے بندی کا دور دورہ تھا، شراب، جوا، زنا اور جھوٹ جیسی برائیاں عام تھیں، اس دور میں بھی لوگ آپ کو ''الصادق الامین'' کے نام سے پکارتے اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جو آپؐ کے منصف ہونے کی روشن دلیل ہے۔

واقعہ حجر اسود: حجر اسود کے واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ خانہ کعبہ کی دیواریں سیلاب کے وجہ سے گرچکی تھیں۔ تمام قبائل نے اسے دوبارہ تعمیر کرنے میں یکساں کردار ادا کیا تھا۔ لیکن جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کا موقعہ آیا تو ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ یہ شرف انہیں ہی نصیب ہو۔ اب قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے باہر آجائیں، ہر طرف خون کی ندیاں بہنا شروع ہوجائیں۔ سمجھ دار لوگ اس معاملے کو نمٹانے کے لئے کعبہ میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہوا سے حکم (جج) مان لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے، وہ سب کے لئے قابل قبول ہوگا۔ اس تجویز پر سب رضامند ہوگئے۔ دوسرے دن سب نے دیکھا کہ ''الامین'' کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو رہے ہیں۔ سب پکار اٹھے۔ هذا محمد، هذا الامين قد رضينا به.

''لو محمد ﷺ آگئے، ان کے فیصلہ پر تو ہم سب ہی خوش ہیں۔''

آنحضرت ﷺ نے چادر میں حجر اسود کو رکھا اور سب قبیلوں کے سرداروں کو موقع دیا کہ چادر کو کونوں سے پکڑ کر اوپر اٹھائیں اور اس نیکی کے کام میں شریک ہوں۔ جب مقدس پتھر اپنی مخصوص جگہ کے برابر پہنچ گیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے اٹھا کر دیوار میں نصب کردیا۔ اس سے سب مطمئن ہوگئے، کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا اور جس نے سنا آپؐ کی تعریف کی کیونکہ اس طرح تمام قبیلوں کی نمائندگی ہوگئی۔ (سیرت ابن ہشام

مترجم: جلداول)

فاطمہ بنت محمد بھی قانون سے مستثنی نہ تھیں:
قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی، وہ ایک امیر گھرانے کی خاتون تھی۔ سرداران قریش نے حضرت اسامہؓ کو بارگاہ رسالت میں سفارش کے لئے بھیجا جنہیں آپؐ بہت زیادہ عزیم رکھتے تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ حضورﷺ قبیلہ کی عزت کا خیال کرتے ہوئے یقیناً سزا میں تخفیف کردیں گے۔ اس کے برعکس جب حضورﷺ نے حضرت اسامہؓ کی بات سنی تو آپ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا، آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا:

''تم سے پہلی قومیں اسی لیے ہلاک ہوگئیں کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے لیکن جب کوئی عام آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' (صحیح بخاری ومسلم)

یہ ہے انصاف کا وہ عالی قدر نمونہ کہ اگر مجرم اپنی اولاد بھی ہوتو اسے معاف نہ کیا جائے۔

ہجرت مدینہ کے موقع پر جب کافروں کے ظلم وستم حد سے بڑھ گئے تو آپؐ اللہ اجازت سے مکہ کو خیر باد کہہ دیا۔ اس وقت بھی لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس تھیں۔ مدینہ چھوڑتے ہوئے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اگلے دن یہ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا کر تم بھی مدینے چلے آنا۔ (سیرت ابن ہشام جلداول)

یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوگوں کا اس بات پر یقین کامل تھا کہ آپؐ کے پاس جو بھی چیز رکھ دی جائے، وہ انہیں اسی طرح واپس مل جائے گی۔ یہ بھی آپ کی منصف مزاجی وامانت داری کی منہ بولتی دلیل ہے۔

جنگ بدر کے قیدی: حسن سلوک کے سلسلے میں سرکار دوعالم کی مساوات پسندی کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے اپنے اعزہ واقارب کو بھی عام قیدیوں کی طرح رکھا اور ان کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ پسند نہ کیا۔

اسیران بدر کی مدینہ منورہ میں پہلی رات تھی اور مسلمانوں نے انہیں خوب کس کر باندھ رکھا تھا۔ ان میں رحمت دوعالم کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے۔ وہ پروردہ ناز ونعم انسان تھے۔ اس لئے ہاتھ پاؤں کی بندشیں انہیں بہت تکلیف دے رہی تھیں۔ اور وہ درد سے کراہ رہے تھے۔ سرور دوعالم سے ان کا کراہنا برداشت نہیں ہورہا تھا، اس لئے آپ بھی جاگ رہے تھے اور مضطرب پھر رہے تھے۔ آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! مزاج عالی کیوں بے قرار ہے؟''

فرمایا ''عباس کی کراہوں نے بے تاب کررکھا ہے۔''

وہ صحابی گئے اور چپکے سے حضرت عباس کی بندشیں ڈھیلی کرآئے۔ تھوڑی دیر بعد رحمت دوعالم نے حیرت سے پوچھا'' کیا بات ہے، اب عباس کی کراہوں کی آواز نہیں آرہی ہے؟''

''یارسول اللہ! میں نے ان کی بندشیں نرم کردی ہیں۔'' صحابی نے بتایا۔

''پھر اس طرح کرو'' داعی مساوات نے فرمایا کہ ''تمام قیدیوں کی بندشیں ڈھیلی کردو۔'' یہ واقعہ بھی آپؐ کی منصف مزاجی کا شاہد ہے۔

جنگ حنین کے قیدی: جنگ حنین میں ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے'' نبی رحمت نے فرمایا: میں اپنے اور بنو عبدالمطلب کے قیدیوں کو بلاکسی معاوضہ کے رہا کرتا ہوں۔ انصار ومہاجرین نے کہا: ہم بھی اپنے اپنے قیدیوں کو بلاکسی معاوضہ کے آزاد کرتے ہیں۔ اب بنی سلیمہ وبنی فزارہ رہ گئے، ان کے نزدیک یہ عجیب بات تھی کہ حملہ آور دشمن پر (جو خوش قسمتی سے زیر ہوگیا ہو) ایسا لطف وکرم کیا جائے۔ انہوں نے اپنے حصے کے قیدیوں کو آزاد نہ کیا۔ نبیﷺ نے انہیں بلایا۔ ہر ایک قیدی کی قیمت چھ اونٹ قرار پائی۔ یہ قیمت نبی کریمﷺ نے خود ادا کردی اور اس طرح باقی قیدیوں کو بھی آزادی دلائی۔

یہ واقعہ جہاں آپؐ کی رحم دلی کی گواہی دیتا ہے وہاں اس حقیقت کو بھی آشکارا کرتا ہے کہ حضورؐ کی منصف پسند طبیعت کو یہ ہرگز پسند نہ تھا کہ چند قیدی تو اپنے رشتہ داروں کی وجہ سے چھوٹ جائیں اور چند کو بدستور قیدی رکھا جائے چنانچہ آپؐ نے باقی ماندہ کی قیمت ادا کرکے انہیں رہائی دلادی۔

قرآن سے گواهی: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ خود اس بات پر شاہد ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم کو دنیا میں انصاف کا حکم دے کر بھیجا ہے۔ حضور کو یہود کے مقدمات میں انصاف کا حکم دے کر اس کی ترغیب امت کو دی ہے۔

''(اے رسولؐ) جب آپؐ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ فیصلہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (سورہ مائدہ:۴۲)

اس کے علاوہ حضورؐ کی زبان سے قرآن میں کہلایا گیا ہے:

''کہو! مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں'' (سورہ شوریٰ:۱۵)

دنیا میں کوئی عادل ایسا نہیں ہوگا جس کے عدل کی گواہی خود خالق کائنات نے دی ہو۔

مسلمان اور یہودی کا مقدمہ: ایک منافق (جو بظاہر مسلمان تھا) اور یہودی کے درمیان کوئی تنازعہ تھا دونوں حصول انصاف کی خاطر حضور اکرمﷺ کے پاس چلے گئے۔ حضورﷺ نے دونوں کے دلائل سننے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ منافق کو اس کا بہت رنج ہوا اور وہ یہودی کو لے کر حضرت عمر فاروقؓ کے پاس جا پہنچا اور اپنا تنازعہ بیان کیا۔ یہودی نے حضرت عمر فاروقؓ کو بتایا کہ اس سے قبل حضور اکرمﷺ میرے حق میں فیصلہ کرچکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے کہا: میں ابھی فیصلہ کرتا ہوں، آپ اندر گئے اور اپنی تلوار لے آئے اور اس منافق کا سر تن سے جدا کردیا اور کہا ''جسے حضورﷺ کا فیصلہ منظور نہیں اس کے لئے عمر کا یہی فیصلہ ہے گویا

رسالت کے تابناک ستارے عمر فاروقؓ کا یہ یقین ہی نہیں بلکہ ایمان بھی تھا کہ حضور کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کر سکتے خواہ اس کا مذہب کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر سورہ النساء آیت ۶۵ کی تفسیر میں، روایت سنداً ضعیف ہے۔ (ادارہ)

مسجد کی تعمیر: مسجد نبوی کی جگہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، آپ نے اس وقت تک اس کی بنیاد نہ رکھی جب تک اس کی قیمت ادا نہ کر دی۔ اگر آپ چاہتے تو بلا قیمت و اجازت مسجد تعمیر کر سکتے تھے۔ لیکن یہ پیکر عدل وانصاف کی شان کے خلاف تھا۔ (سیرت ابن ہشام: جلد اول)

یہودیوں سے معاہدات: مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان مدینہ میں ہونے والے معاہدے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ ''ہر طرح کے جھگڑوں کا فیصلہ حضرت محمد ﷺ خود فرمائیں گے''۔

یہ بات بھی آپ کی اس صفت کو اور ٹھوس بناتی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ کافروں کو بھی آپ پر پورا اعتماد تھا۔

جیش العسرۃ: غزوہ تبوک میں بھوک سے تنگ آ کر چند سپاہیوں نے ریوڑ کی ایک بکری ذبح کر لی، حضور کو پتہ چلا تو آپ نے پکی ہوئی ہانڈیاں اپنی کمان سے الٹ دیں۔ اسے حرام ٹھہرایا اور بکری کی قیمت ادا کی گئی۔

صلح حدیبیہ: صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی ''قریش میں سے اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینے چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مدینے سے مکہ آئے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا''

اس شرط کے بعد ایک مظلوم صحابی ابوجندل کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر مدینے آ گئے۔ جب اہل مکہ نے آ کر آپ کو صلح حدیبیہ کی شرائط کی طرف توجہ دلائی تو آپ نے ان سے انصاف کرتے ہوئے ابوجندل کو واپس کر دیا۔ (الرحیق المختوم: صفحہ ۵۵۷)

بیویوں سے سلوک: یہ تو باہر کے معاملات تھے۔ آپؐ نے عدل وانصاف کے دامن کو اپنے خانگی معاملات میں بھی تھامے رکھا۔ آپؐ نے تقریباً ہر عمر کی عورتوں سے شادی کی اور ان سے مساوی سلوک کرتے رہے اور اس طرز عمل کو آخری دم تک نبھاتے رہے۔ جب آخری وقت آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے تو اس سے پیشتر آپؐ نے تمام ازواج مطہرات سے اجازت حاصل کی تھی۔ (صحیح بخاری: باب مرض النبی ووفاتہ صفحہ ۹۱۶)

مال غنیمت کی تقسیم: مختلف جنگوں سے آپؐ کے پاس بے شمار مال ومتاع آیا کرتا تھا آپؐ نے کبھی بھی یہ کوشش نہیں کی کہ میں مقرر شدہ حصہ سے زیادہ مال حاصل کر لوں۔ یہ بات بھی آپؐ کے انصاف کو اجاگر کرتی ہے۔

عقبہ بن عامر کے ہمراہ سفر: ایک مرتبہ آپؐ سفر میں تھے۔ حضرت عقبہ بن عامر آپؐ کے ہمراہ تھے لیکن اونٹ ایک ہی تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد آپؐ نے عقبہ سے فرمایا: ''اب تم بیٹھ جاؤ میں پیدل چلوں گا، حضرت عقبہ ہچکچائے کہ نبی ﷺ تو پیدل چلیں اور وہ خود اونٹ پر سوار ہوں۔ اس بات کو انہوں نے بے ادبی جانا، لیکن جب آپؐ نے اصرار فرمایا اور حکم دیا تو عقبہؓ نے حکم کی تعمیل کی۔

یہ اس عدل وانصاف کی اعلیٰ مثال ہے جو آقا و غلام، ادنیٰ واعلیٰ کی تفریق کو ختم کر دیتا ہے۔

صحابہ کے برابر کام کرنا: مسجد قبا کی تعمیر ہو یا خندق کی کھدائی، آپؐ نے دیگر صحابہ کرامؓ کے دوش بدوش اس میں حصہ لیا اور کسی بھی موقع پر دامن انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ایک دفعہ حضور اکرمؐ چند صحابہ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے، راستے میں کھانے پکانے کی ضرورت پڑی تو تمام صحابہؓ نے آپس میں کام بانٹ لیا۔ کسی نے کہا: میں یہ کروں گا، کسی نے کہا: میں وہ کروں گا۔ حضور ﷺ نے کہا: میں یہ کروں گا کسی نے کہا: میں وہ کروں گا۔ حضور ﷺ نے کہا: میں آگ جلانے کے لئے لکڑیاں لاؤں گا۔ صحابہؓ نے کہا: آپ کے حصے کا کام بھی ہم کریں گے لیکن آپؐ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

اسی طرح آپؐ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں آپؐ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ صحابہؓ نے آگے بڑھ کر عرض کی: یارسول اللہ! اجازت ہو تو ہم یہ تسمہ گانٹھ دیں لیکن حضورؐ نے صحابہؓ کو اس کی اجازت نہ دی۔ یہ ہے انصاف کہ ایک آقا اپنے غلام سے اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتا بلکہ ایک راہبر اپنے پیروؤں کے دوش بدوش مٹی کھودتا اور گارا لاتا ہے۔

اولاد کے درمیان عدل: والدین کا فرض ہے کہ اولاد کے درمیان مساوی سلوک کریں کیونکہ اسلام کی نگاہ میں دوسرے مذاہب کی طرح عدل میں چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں۔ آج اہل یورپ عدل وانصاف کے علمبردار بنے پھرتے ہیں لیکن آج بھی یورپ کے جن ممالک میں نوابی کا دور دورہ ہے، بڑے بیٹے کو جائداد میں زیادہ حصہ ملتا ہے۔ اسلام اس عدم توازن کو مٹاتا ہے۔ آج اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو لڑکی کو والدین کے ترکہ میں قانونی شریک ٹھہراتا ہے۔

دشمنوں کا اعتراف: نبی ﷺ نے عالمگیر تعلیمات کو عام کرنے کے لئے بادشاہوں کو تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تھا چنانچہ شہنشاہ روم جو پوری عیسائی دنیا کا حاکم تھا کو آپ کا خط ملا تو اس نے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے حکم دیا کہ حجاز کا کوئی شخص اگر یہاں موجود ہو تو اسے دربار میں حاضر کیا جائے۔ خدا کی قدرت کہ ابوسفیان (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے) جیسا اسلام کا دشمن تجارت کی غرض سے شام گیا ہوا تھا۔ ساتھیوں سمیت اسے دربار بلایا گیا۔ قیصر روم اور ابوسفیان کے درمیان جو گفتگو ہوئی، اس کے چند مکالمات یہ تھے: (صحیح بخاری: صفحہ ۳۔۴)

قیصر: تم نے اسے (محمد ﷺ کو) کبھی جھوٹ بولتے سنا ہے؟

ابوسفیان: نہیں

قیصر: کیا یہ نبی کبھی وعدہ کر کے پھر بھی گیا ہے؟

ابوسفیان: اب تک تو ایسا نہیں ہوا۔ اب جو معاہدہ ہوا ہے، دیکھیں وہ اس کو پورا کرتا ہے یا نہیں

اس مکالمہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جو شخص وعدہ

خلافی نہ کرے اور جھوٹ نہ بولے، وہ اپنے پرائے سے انصاف کرنے میں کیا کسر اٹھا رکھے گا۔

بدوی کو جواب: سرق ایک صحابی تھے، ان سے ان کی وجہ تسمیہ دریافت کی گئی تو کہنے لگے کہ ایک بدوی دو اونٹ لے کر آیا، میں نے خرید لئے۔ پھر میں (قیمت لانے کے بہانہ سے) اپنے گھر میں داخل ہوا اور عقب خانہ سے نکل گیا اور اونٹوں کو بیچ کر اپنی حاجت پوری کی۔

میں نے خیال کیا کہ بدوی چلا گیا ہوگا۔ میں واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑا ہے۔ وہ مجھے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا! یارسول اللہ! میں نے اونٹوں کو بیچ کر اپنی حاجت روائی کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بدوی کو قیمت ادا کردو۔ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو سرق ہے۔ پھر بدوی سے فرمایا کہ تم اس کو بیچ کر اپنی قیمت وصول کرلو۔ چنانچہ لوگ اس سے میری قیمت پوچھنے لگے۔ وہ ان سے کہتا تھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہتے تھے کہ ہم خرید کر اسے آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر بدوی نے کہا کہ میں تمہاری نسبت ثواب کا زیادہ مستحق وخواہاں ہوں۔ اور مجھ سے کہا کہ جاؤ، میں نے تم کو آزاد کردیا۔ (صحیح بخاری)

اسید بن حضیر کا واقعہ: ایک انصاری صحابی اسید بن حضیرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا: کہ ایک روز لوگوں سے باتیں کررہے تھے۔ ان کا آپس میں مزاج تھا۔ وہ اس وقت انہیں ہنسا رہے تھے کہ نبی کریم نے فرمایا: مجھ سے بدلہ لو۔ انہوں نے کہا: آپ کے (بدن) پر قمیص ہے اور مجھ پر قمیص نہ تھی تو نبی کریم ﷺ نے اپنی قمیص کچھ اٹھائی۔ انہوں نے حضور کو سینے سے لگالیا اور آپ کا پہلو چومنے لگا۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ میں تو یہی چاہتا تھا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ اور ملاحظہ ہو۔

آنحضرت ﷺ جنگ بدر کے لئے صف آرائی کررہے تھے۔ حضرت سواد بن غزیہ انصاری صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک تیر کی لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا۔

استویا سواد ''اے سواد! برابر ہوجاؤ'' اس پر سواد نے حضور سے قصاص طلب کیا۔ آپ نے فوراً اپنا شکم مبارک ننگا کردیا اور فرمایا ''قصاص لے لو'' (سیرت ابن ہشام)

سبحان اللہ! انصاف پسند ہو تو ایسا ہو جو نہ صرف دوسروں کے بارے میں عدل کرے بلکہ خود بھی اس کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

کھجوریں ادھار لینا: ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے کھجوریں ادھار لیں۔ کچھ مدت کے بعد اس نے تقاضا کیا۔ حضور نے ایک انصاری صحابی سے اس شخص کو کھجوریں دینے کے لئے فرمایا۔ کھجوریں دی گئیں تو اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا کہ کھجوریں بہتر تھیں۔ انصاری صحابی نے کہا کہ تم حضور کی کھجوریں لینے سے انکار کرتے ہو۔ وہ بولا: اگر رسول اللہ عدل نہ کریں گے تو اور کون عدل کرے گا؟

حضور نے یہ جملے سنے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ بالکل سچ ہے!

فتح مکہ: جب مکہ فتح ہوا تو آپ کی راہ میں کانٹے بچھانے والے، آپ پر اوجھڑیاں ڈالنے والے، آپ کے قتل کی سازشیں کرنے والے سب سر جھکائے ہوئے کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''لوگو! تمہارا کیا خیال ہے؟ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟''

انہوں نے کہا: ''اچھا.. آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔''

آپ نے فرمایا: لا تثریب علیکم الیوم، اذهبوا فانتم الطلقاء

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

حالانکہ اگر آپ چاہتے تو ان ظالموں سے بدلہ لے سکتے تھے جن کی وجہ سے نہ صرف آپ بلکہ دوسرے صحابہ کو بھی بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن آپ نے بلاتفریق سب کو معاف کردیا۔

مساوات محمدی: اہل عرب آزاد شدہ غلاموں کو بھی کمتر اور حقیر سمجھتے تھے۔ سرکار دوعالم نے ان نظریات کو باطل کرنے کے لئے ایک طرف تو خطبے میں یہ اعلان فرمادیا کہ اہلیت کا غرور اور انساب کی بنا پر برتری کے دعوے اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دے دیئے ہیں۔ دوسری طرح اس مساوات کا عملی مظاہرہ یوں کیا کہ جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت اسامہؓ کو اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا، اور جب کعبہ میں داخل ہوئے، حالانکہ وہاں ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم سبھی موجود تھے۔ مگر رحمتِ دوعالم نے اپنی معیت کا اعزاز ایک غلام اور ایک غلام زادے کو بخشا، تاکہ اہل مکہ مساواتِ محمدی کا یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

اسلامی عدالت کے کھلے دروازے: حضور اکرم کا ارشاد ہے کہ "من ولی عن امر الناس شیا ثم اغلق بابه دون المسلمین او المظلوم او ذی الحاجة اغلق الله دونه ابواب رحمته عنه حاجته وفقره افقر ما یکون الیه.

''لوگوں کے کاموں میں سے کسی کام کا جو شخص ذمہ دار بنایا جائے اور پھر وہ اپنا دروازہ مسلمانوں یا مظلوم اور ضرورت مند انسانوں پر بند کرے تو اللہ بھی ایسے شخص پر اپنی رحمت کے دروازوں کو اس کی اس ضرورت اور محتاجی پر بند کرلیتا ہے جس میں وہ سب سے زیادہ مضطر ہوتا ہے۔'' (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

بیت اللہ کی چابیاں: ایک دفعہ حضور ﷺ نے عثمان بن طلحہؓ سے کہا کہ بیت اللہ کھول دو لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ آپ نے فرمایا: اے عثمان! دیکھنا ایک دن یہ چابی میرے پاس ہوگی۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے عثمان بن طلحہؓ سے وہی چابی اور بیت اللہ کا دروازہ کھول کر خانہ خدا کو معبودان باطلہ سے پاک کیا۔ حضرت عباس نے حضور اکرم سے کہا کہ ''یہ چابی بنو ہاشم کو دے دی جائے'' لیکن حضور ﷺ نے چابی پھر عثمان بن طلحہ کو لوٹا دی جو مدت سے بیت اللہ کا کلید بردار چلا آرہا تھا۔ اگر آپ چاہتے

تو یہ چابی اپنے خاندان والوں کو بھی عطا کر سکتے تھے لیکن آپ نے چابی اصل حق دار کو لوٹا دی۔

کنواں زمزم کا ڈول: آپ نے زمزم کے کنویں کا ڈول اس لئے خود نہ نکالا کہ کہیں قریش والے (ہاشمی) اس کو اپنا ہی حق نہ سمجھ لیں اور اس طرح دوسروں کی حق تلفی نہ ہو جائے۔

آخری خطبہ: اس تاریخی و بے مثال خطبہ میں جہاں آپؐ نے ذات پات، رنگ و نسل کے بتوں کو پاش پاش کیا، عورتوں اور غلاموں سے نیک سلوک کا حکم دیا۔ سود اور زمانہ جاہلیت کے تمام جھگڑوں کو ختم فرمایا، وہاں آپ کے الفاظ یہ بھی ہیں:

''اپنے آپ کو بے انصافی سے بچائے رکھو۔''

وصال سے چند روز قبل: دنیا میں آج تک ایسا کوئی عادل نہیں گزرا جو یہ بات وثوق سے کہہ سکے کہ اس نے کبھی کسی سے ناانصافی نہیں کی اور اس پر اپنے آپ کو محاسبہ کے لئے پیش کرے لیکن آفرین صد آفرین اس امی عادل پر کہ جس نے راہ عدم کو سدھارتے ہوئے بھی کہا تھا:

''اگر کسی شخص کا حق مجھ پر ہو تو بتا دے''

ایک نے کہا کہ حضور نے ایک مسکین کو مجھ سے تین درہم دلائے تھے، وہ نہیں ملے۔ یہ درہم آنحضرت ﷺ نے اسی وقت ادا کر دیئے۔

مندرجہ بالا تمام واقعات اس بات کا زندہ و پائندہ ثبوت ہیں کہ آپ نے ہر حال میں طالبان انصاف سے انصاف کیا۔ لیکن آج جب ہم اپنے اردگرد نظر دوڑا کر دیکھتے ہیں تو انسانیت تڑپتی اور سسکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آج منصف کی آنکھوں میں زرد جواہر کی خاک ڈال کر اندھا کر دیا جاتا ہے۔ ماں کی کوکھ سے آزاد جنم لینے والے انسان کو حق کا ساتھ دینے کے جرم میں جور و جفا کی چکی میں پیسا جاتا ہے۔

حصول انصاف کا طریقہ بھی اس قدر فرسودہ اور سست رفتار ہے کہ انصاف کے طالبوں کو برسوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ ٹھوس شہادتیں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن انصاف کے موجودہ ناخدا بندہ ہوا و ہوس اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی آئے اور ان کی داڑھ گرم کرنے کا سامان پیدا کرے۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو کوئی بتائے کہ بالکل سیدھے سادھے مقدمات کو نمٹانے کے لئے لوگوں کو برسوں عدالتوں کے چکر کیوں کاٹنے پڑتے ہیں۔

قابل ستائش تھا وہ دور جب لوگ ہر لحاظ سے محفوظ تھے، کسی کی جان و آبرو کو کوئی کھٹکا نہیں تھا۔ آج ہمارے معاشرے کو اس طرز انصاف کی ضرورت نہیں بلکہ اس عدل و انصاف کی ضرورت ہے جس کی طرح نبی عادل محمد اور دیگر خلفائے راشدین وصحابہ کرام نے ڈالی تھی۔

☆☆☆

مرکزی جمعیت اہل حدیث کی تازہ ترین پیش کش

تاریخ ردقادیانیت اور خدمات اہل حدیث کے سلسلہ میں معلومات کا خزانہ

ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کے قلم سے

تحریک ختم نبوت (1 تا 25 جلدیں)

تاریخ اہل حدیث (1 تا 8 جلدیں)

مکتبہ ترجمان کی مطبوعات پر 50% کی رعایت، مدارس، جامعات، مکتبات اور تاجران کتب درج ذیل پتہ سے طلب کریں۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ ترجمان

اہل حدیث منزل، 4116، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ 110006

فون: 011-23273407، فیکس: 011-23246613

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

آپسی تعلقات کے بگاڑ کے چند اسباب

سراج احمد آس محمد سلفی

اسلام ہمیشہ سے امن، بھائی چارگی، ملنساری اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی دعوت دیتا ہے یہ مذہب ہرایک کو آپسی محبت اور پرامن زندگی جینے اور دوسرے کو جینے دینے کی تاکید کرتا ہے لیکن موجودہ دور کے اندر دنیاوی مال ومتاع حاصل کرنے، دوسرے کو زیر دکھانے اور انانیت کی بقاء کو قائم کرنے کی وجہ سے آپسی اختلاف وانتشار اس قدر پروان چڑھ چکا ہے کہ ایک صلبی بھائی اپنے بھائی کا چہرہ تک نہیں دیکھنا چاہتا ہے۔

نیچے چند امور کو اختصار کے ساتھ نصوص شرعیہ کی روشنی میں ذکر کیا جاتا ہے اگر انسان واقعتاً ان امور سے پرہیز کرلے تو بہت حدتک امید ہے کہ آپسی تعلقات کے بگاڑ سے بچ سکتا ہے۔ ان شاء اللہ

(۱) **غیبت:** کسی کی برائی اور ہجو، اس کی عدم موجودگی میں بیان کرنے کا نام غیبت ہے آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دریافت کیا اتدرون ما الغيبة؟ قالوا: الله ورسوله اعلم، قال: ذكرك اخاك بما يكره، قيل افرأيت ان كان في اخي ما اقول؟ قال: ان كان فيه ما تقول، فقداغتبته وان لم يكن فيه فهو بهته.

ترجمہ: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرنا کہ اس کو ناگوار گذرے، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ برائی اس میں موجود ہو تو آپ نے فرمایا: اگر اس کی موجودہ برائی کو بیان کروگے تو غیبت ہوگی اور اگر وہ برائی اس میں موجود نہ ہو تو تم اس پر بہتان باندھوگے۔ (مسلم شریف: ۲۵۸۹)

سورہ حجرات کے اندر اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے کو اپنے مرے ہوئے بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ فرمایا: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ یعنی تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پس تم اسے ناپسند کروگے۔ (سورہ حجرات آیت ۱۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں حسن سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: من اكل لحم اخيه في الدنيا، قرب له يوم القيامة، فيقال له: كله ميتا، كما اكلته حيا، فياكله ويكلح ويصيح یعنی جب آدمی نے غیبت کرکے اپنے بھائی کا گوشت کھایا قیامت کے روز اس کا گوشت اس کے قریب کرکے کہا جائے گا کہ لو اسے مردہ حالت میں کھاؤ جیسا کہ تم نے اس کی زندگی میں اسے کھایا تھا چنانچہ وہ اسے کھائے گا اور انتہائی بدشکل ہوجائے گا اور چیخے گا (فتح الباری بالغيبه سنده حسن)

(۲) **چغل خوری:** مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو بگاڑنے والے امور میں سے ایک امر چغل خوری بھی ہے جسے بدترین گناہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ شرار عباد الله المشاؤون بالنميمة المفرقون بين الاحبة یعنی وہ بہت ہی برے لوگ ہیں جو ادھر کی بات سن کر ادھر پہنچاتے ہیں اور دوستوں اور متعلقین میں افتراق پیدا کرتے ہیں۔ (مسند احمد ۴/۲۲۷) چغل خوری اتنی بری چیز ہے کہ جس کے پیش نظر آپ نے ارشاد فرمایا لا يدخل الجنة نمام اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: لا تدخل الجنة قتات یعنی چغل خور جنت میں نہیں داخل ہوگا۔ (مسلم شریف ۱۰۵)

(۳) **بدگمانی:** بدگمانی اور جاسوسی بھی مسلمانوں کے درمیان آپسی تعلقات میں بگاڑ پیدا کرتی ہے اور نفرت کے پروان چڑھانے میں اس کا بھی اہم رول ہوتا ہے اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ان دونوں کاموں سے اجتناب کرنے کا حکم فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا یعنی اے ایمان والو! تم زیادہ گمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ کے ہیں اور آپس میں جاسوسی نہ کیا کرو۔ (سورہ حجرات آیت ۱۲)

بدگمانی کے تعلق سے خاتم النبیین جناب محمد ﷺ بہت سخت تھے اسی بنیاد پر آپ نے فرمایا: اياكم والظن، فان الظن اكذب الحديث، ولا تحسسوا ولا تجسسوا یعنی تم بدگمانی کرنے سے بچو، یہ سب سے جھوٹی بات ہے۔ تم چوری چھپے کسی کی بات نہ سنا کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی عیب کی تلاش کرو۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے بخاری شریف ۶۰۶۶)

(۴) **استہزاء اور برے القاب سے پکارنا:** کلی یا جزئی طور پر کسی کو کم تر اور حقیر سمجھتے ہوئے اور اپنے آپ کو اس سے اچھا اور بہتر گمان کرتے ہوئے مذاق اڑانا یا برے لقب سے یاد کرنا اور پکارنا حرام ہے۔ اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ یعنی اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے اور نہ ہی مومنہ عورتیں مومنہ عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی اور بہتر ہوں جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو (سورہ حجرات آیت ۱۱)

آپ نے اس عمل بد میں ملوث ہونے والے شخص کو برا کہا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے بحسب امرئ من الشران يحتقر اخاه المسلم یعنی کسی آدمی کے

برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر سمجھے۔(ترمذی تشریف ۱۹۲۷)

(۵) **بغض وحسد:** باہمی تعلقات میں بگاڑ پیدا کرنے کی ایک وجہ ایک دوسرے کے تعلق سے بغض وحسد رکھنا بھی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ حسد کے تعلق سے ارشادفرماتا ہے کہ''وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَد''یعنی حسد کرنے والوں کی برائی سے بچو جب وہ حسد کرے۔(سورہ فلق آیت:۵)

حسد یہ ہے کہ حاسد محسود سے زوال نعمت کی آرزو کرتا ہے اسی وجہ سے اس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے۔حسد ایک نہایت بری اخلاقی بیماری ہے جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ارشادفرماتے ہیں کہ ہر سوموار اور جمعرات کو انسان کے اعمال اللہ رب کریم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس دن سوائے مشرکین کے ہر ایک کی مغفرت فرماتا ہے لیکن جن دو شخصوں کے درمیان کینہ وکپٹ ہوتا ہے ان کی مغفرت نہیں فرماتا:اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی مغفرت سے الگ رکھو جب تک دونوں میں ملاپ پیدا نہ ہوجائے۔(مسلم شریف:۲۵۶۵)

(۶) **قطع تعلق کرنا:** سلام وکلام سے دوری بنائے رکھنا اور ایک دوسرے سے نفرت کرنا حرام ہے مذہب اسلام نے ہر مسلمان کو اپنے بھائی کے ساتھ میل ملاپ رکھنے اور خندہ پیشانی سے ملنے کا حکم دیتا ہے جو اس کے برعکس کرتا ہے وہ اللہ کی خفگی اور نبی ﷺ کی ناراضگی کا شکار ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:لا یحل لمسلم ان یهجر أخاه فوق ثلاث یعنی کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔یعنی اس سے سلام ودعا اور گفتگو بند نہ کرے۔(بخاری شریف ۶۰۶۵)

حالانکہ اسلام نے آپسی بھائی چارہ بڑھانے کا طریقہ بھی بتلایا ہے سلام کے ذریعہ ہر آدمی خلوص وللّٰہیت وصدق دل سے عمل کرکے اس چیز کو حاصل کرسکتا ہے آپ نے ارشادفرمایا:لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا ألا أدلكم على شئى اذا فعلتموه تحاببتم؟ افشوا السلام بينكم ترجمہ:یعنی تم لوگ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ اور تم اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو اور کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں کہ اگر تم اس پر عمل پیرا ہوجاؤ تو آپس میں محبت پیدا ہوجائے گی وہ یہ ہے کہ تم باہم سلام پھیلاؤ اور اس کی ترویج واشاعت کرو۔(مسلم شریف ج۱/۴۲)

آخر میں دعا ہے کہ یااللہ ہم مسلمانوں کو آپسی اتحاد واتفاق بنائے رکھنے اور مندرجہ بالا امور سے بچاکر آپس میں اخوت وبھائی چارگی پر قائم رہنے کی توفیق دے۔آمین

ا۔**جامعة المفلحات** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد،لڑکیوں کی دینی وعصری،اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ،اردو/عربی میڈیم

مسلمہ حکومت تلنگانہ

شعبہ جات: (1) حفظ وناظرہ (2) L.K.G. تا X مع متوسط وعالمیت (3) مختصر عالمیت (تین سالہ) دسویں پاس/فیل طالبات کے لئے (4) فضیلت (دوسالہ) داخلہ،تعلیم،قیام وطعام مفت (5) تدریب المعلمات والداعیات والمفتیات (ایک سالہ) برائے فاضلات،تعلیم،قیام وطعام مفت،ماہانہ اسکالرشپ

نوٹ: طالبات جامعہ سند عالمیت سے اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے .B.A میں اور سند فضیلت سے .M.A میں براہ راست داخلہ کے مجاز ہیں۔

فون نمبرات:9963635354/8008492052/9346823387/7416536037

(2) **جامعة المفلحات** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد،لڑکیوں کی عصری اسلامی،اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ،انگلش میڈیم

مسلمہ حکومت تلنگانہ

شعبہ جات: .L.K.G تا x **مع اسلامک اسٹڈیز** فون نمبرات:8074001169/9177550406

(3) **جامعة الفلاح** شریف نگر، حیدرآباد لڑکیوں کی دینی وعصری،اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ،اردو/عربی میڈیم

شعبہ جات: (1) حفظ وناظرہ مع انگلش،سائنس،تلگو وحساب (2) مختصر عالمیت (تین سالہ) مع کمپیوٹر کورس برائے SSC طلبہ

(3) فضیلت (دوسالہ) تعلیم قیام وطعام مفت،مع ماہانہ اسکالرشپ

نوٹ: طلبہ جامعہ سند عالمیت سے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے B.A میں براہ راست داخلہ کے مجاز ہیں۔فون نمبر:9133428476/9502089170

(4) **فلاح انٹرنیشنل اسکول** شریف نگر، حیدرآباد،لڑکوں کی عصری واسلامی،اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ،انگلش میڈیم

مسلمہ حکومت تلنگانہ

شعبہ جات: Nursery تا x **مع حفظ یا عالمیت** فون نمبر:9505872810/9133428476

مسلمہ حکومت تلنگانہ

(5) **مرکز الأیتام** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد یتیم لڑکے اور لڑکیوں کے لئے اسکول وہاسٹل۔انگلش میڈیم۔جن لڑکے ولڑکیوں کی عمر 10 سال سے کم ہو اور والد یا والدہ کا انتقال ہوگیا ہو ان کے لئے تعلیم،قیام وطعام،کتب اور یونیفارم کے ساتھ طبی سہولیات کا مکمل انتظام ہے،جس میں سال بھر داخلے جاری ہیں۔

شعبہ جات (1) **حفظ وناظرہ** (2) .L.K.G تا x **مع دینیات** فون نمبرات:9000002154/8008492052

المعلن: شریف محمد بن غالب الیمانی الاشراف،رئیس الجامعات

محمد ثناء اللہ عمری، ایم اے عثمانیہ

نیکی برباد گناہ لازم

مفسرین نے لکھا ہے کہ قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم اہل وعیال کے ساتھ مسلمان ہو چکے ہیں ۔ قبیلہ ہوازن وغطفان کی طرح آپ کورزم و پیکار کے لئے نہیں للکارا ہے، یہ آپ پر ہمارا احسان ہے، اس کے عوض آپ ہماری مالی امداد کیجئے ، ہم قحط سالی کے شکار ہیں۔اس نمائندگی میں جو بات بنیادی طور پر غلط تھی وہ یہ کہ یہ لوگ اسلام لاکر پیغمبر اسلام پر احسان جتار ہے تھے اس پر سورہ حجرات کی یہ آیت نازل ہوئی۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ هَدٰئکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (الحجرات:١٧)

(اے نبی!) یہ لوگ آپ پر احسان دھر رہے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے آپ ان سے فرمادیجئے اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر نہ دھرو واقعہ یہ ہے کہ اللہ تم پر احسان دھر رہا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی توفیق دی بشرطیکہ تم پکے مسلمان ہو۔ اور اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔اس آیت اور اس کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوکر اس انداز سے سوچ نہیں سکتا کہ اس نے اللہ یا اس کے رسول پر کوئی احسان کیا ہے، سورج بہر حال سورج ہے چمگادڑ اس کا وجود تسلیم کرے یا نہ کرے کسی کے تسلیم واعتراف سے خدا کی خدائی میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا ہے نہ کسی کے انکار وسرکشی سے اس کی خدائی میں کوئی کمی ہوسکتی ہے۔ یہی حال پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت کے اقرار وانکار کا بھی ہے۔ آپ اس وقت بھی رسول تھے جب گنتی کے چند افراد کے سوا ساری دنیا نے آپ کو جھٹلایا تھا اور آج بھی ویسے ہی پیغمبر ہیں جب کہ آپ کے نام لیوا اللہ کی زمین پر اربوں کی تعداد میں بستے ہیں، اقرار وانکار کی کمی بیشی سے آپ کی عظمت وبرتری گھٹتی یا بڑھتی نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ذات رسالت مآب ﷺ کو سورج سے تشبیہ دی ہے کہ بروقت درخشاں رہتا ہے چنانچہ سورہ نوح میں سورج کو سراج منیر کہا اور سورہ احزاب میں آپ کی ذات گرامی کو سراج منیر کہا ہے ۔ چراغ دونوں ہیں فرق یہ ہیکہ ایک مادی ہے اور دوسرا روحانی۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ جس طرح حلقہ بگوش اسلام ہوکر ہم اللہ اور اس کے رسول پر احسان نہیں کرتے اور ان کی شان نہیں بڑھاتے ۔ اسی طرح اسلام کے مختلف احکام پر عمل پیرا ہوکر بھی ہم خالق کائنات اور محسن عالم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے ، اسلام اور اس کے بتائے ہوئے احکام واعمال میں فائدہ ہے تو ان لوگوں کا جو ان پر کاربند ہیں نجات کی یہ راہ ہمیں محسن انسانیت نے بتائی ہے، اور خالق کائنات نے ہمیں اسی پر چلنے کی توفیق دی ہے یہ توفیق شامل حال نہ ہوتی تو ہم بھٹک گئے ہوتے ۔ ہماری دولت قحبہ خانوں، شراب خانوں اور قمار خانوں کی سرپرستی میں خرچ ہوتی، ہمارے علم وہنر سے غلط نظام رواج پاتے اور ''اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی''

والی بات صادق آتی اور ہماری طاقت ظلم وستم کی کارروائیوں اور کارستانیوں میں صرف ہوتی اس طرح لینے کے دینے پڑ جاتے اور دنیوی زندگی چاہے جیسی ہو اخروی زندگی وبال جان بن جاتی، اسی لئے ایک مسلمان نیکی کی توفیق اللہ سے مانگتا ہے اور اس نیکی پر اللہ ہی کا شکر گزار رہتا ہے چنانچہ حکمت وحکومت کی دوہری نعمتوں سے سرفراز ہوکر حضرت سلیمان علیہ السلام اس طرح گویا ہوتے ہیں۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰئهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ (النمل۔١٩)

اے میرے رب! مجھے قابو میں رکھ کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور ایسا عمل کروں جو تجھے پسند آئے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کر یہ ذہنیت غلط ہے کہ ہم اپنی نیکیوں سے اپنے سوا کسی اور کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ خدا اور رسول تو ہمارے احسانوں سے بے نیاز ہیں۔ یہی اللہ کے ان بندوں پر بھی ہمارا احسان جتانا غلط ہے جنہیں ہم نے کچھ دیا ہے۔

اسلام نے نیکی کی مقبولیت کے لئے بڑی کڑی شرطیں رکھی ہیں۔ چاہے یہ نیکیاں حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے، ہم اپنی نیکیوں کو دل کے کھوٹ سے بچا نہیں سکتے حالانکہ اس کا خیال نہ رکھا گیا تو ساری نیکیاں اکارت جائیں گی۔ یہ واقعہ ہے کہ جس نیکی کا اعلان اور مظاہرہ زیادہ ہوتا ہے اسی میں دل کے چور کا زیادہ سے زیادہ دخل اور خلل ہوا کرتا ہے اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انما الاعمال بالنیات اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

بلاشبہ نماز روزے کی پابندی میں نفس موٹا ہوتا ہے۔ مگر نفس کے آپے سے باہر ہونے کے مواقع زکوۃ اور حج میں زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ یہ عبادتیں چھپا کر کے نہیں کی جاسکتیں ۔خواہ مخواہ ان کی تشہیر ہو ہی جاتی ہے ان فرائض سے ہٹ کر حقوق العباد کی طرف آیئے تو لگتا ہے جیسے نفس کو اپنی پسند کا میدان مل گیا خاص کر وہ نیکیاں جو ملک وملت کی عام بہبودی اور بہتری سے متعلق ہیں فلاحی کاموں کی یا حدیث کی زبان میں صدقات جاریہ کی ایک طویل فہرست ہے جس کی ہر مد کے متعلق بجا طور پر یہ اندیشہ

لاحق ہوسکتا ہے کہ اس میں عوام لوگوں پر احسان جتانے کا پہلو موجود ہے کنویں کھدوانے سڑکیں بنوانی، مسافر خانوں کا اہتمام، مدرسوں کا قیام، مسجدوں کی تعمیر، کتب خانوں کا انتظام، دواخانوں کا انصرام، غریبوں، یتیموں بیواؤں، مسکینوں غرض معاشرہ کے سارے پسماندہ طبقوں کی خبر گیری کرنے والے اداروں کی تاسیس اس ساری دوڑ دھوپ میں اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ کہیں ان نیکیوں اوران سہولتوں سے مستفید ہونے والوں پر احسان جتانے کا جذبہ کارفرما نہ ہو۔

اللہ نے ہمیں جو نعمتیں دی ہیں۔ یہ ہماری اپنی نہیں ہیں، ہم اس دنیا میں خالی ہاتھ آئے تھے اور خالی ہاتھ ہی جائیں گی۔ یہ نعمتیں اللہ کی امانتیں ہیں، ہر امانت کا ایک حق ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو وہ نعمت حاصل نہیں ہے انھیں اس میں سے حصہ دیا جائے۔ مال ودولت سے غریبوں کی امداد علم وہنر سے ان پڑھ لوگوں کی تعلیم اورجسمانی طاقت سے کمزور بندوں کی حفاظت کی جائے، ورنہ آخرت کی باز پرس کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بحیثیت مسلمان ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ ہمیں جو نعمت بھی حاصل ہے وہ خدا کی دین ہے اسے ہم نے اپنے علم وہنر کے بل بوتے پر حاصل نہیں کیا ہے قرآن کہتا ہے" وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ "تمہاری ہر نعمت اللہ کا عطیہ ہے۔ اس کے برخلاف یہ تصور کہ دنیوی نعمتیں جو مال ودولت، عہدہ ومنصب، علم وفضل، جاہ ومنزلت، اثر ورسوخ، جسمانی طاقت وغیرہ کی شکل میں ہمیں حاصل ہیں۔ یہ ہماری اپنی کمائی ہے سراسر غیر اسلامی تصور ہے۔ قرآن پاک نے قارون کا ایسا ہی تصور بتایا ہے۔ سورہ قصص میں فرمایا۔

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ (قارون نے) کہا کہ مجھے تو یہ چیزیں اپنے علم وہنر کے بوتے پر ملی ہیں۔ اسی صورت میں قارون کی قوم کے لوگوں کی زبانی یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ نے تجھے دیا ہے۔ تو اس کے بندوں کو دے اور فتنہ وفساد کا باعث نہ بن، معلوم ہوا کہ حقدار سے حق کو روک لینا۔ فتنہ کا بیج بونا ہے دقت نظر سے کام لیا جائے تو دینے والے کا احسان مند ہونا چاہیے کہ اس نے اپنا حق لے کر آخرت کی پرسش سے اپنے بھائی کو بچالیا۔ فارسی کے ایک شاعر کی نظر اسی حقیقت پر تھی جب اس نے کہا تھا۔

شکر بجا آر کہ مہمان تو
روزی خودمی خورداز خوان تو

اسلام نے کمزور طبقوں کے جذبات واحساسات کا بہت خیال رکھا ہے۔ اسی لئے نیکی کرنے کے بعد احسان جتانے یا ایذا دینے سے منع کیا ہے بلکہ وارننگ دی ہے کہ اگر ایسا کروگے تو ساری نیکیاں اکارت جائیں گی۔ احسان جتانے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے اللہ کی خوشنودی کی خاطر نہیں ناموری اور شہرت طلبی کے لئے یہ نیکیاں کی تھیں جہاں ریاکاری کا جذبہ ہو وہاں نیکی برباد اور گناہ لازم کا مضمون صادق آئے گا چنانچہ سورہ بقرہ میں فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرہ:۲۶۴)

مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور لوگوں کو اذیت پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ آدمی برباد کردیتا ہے جو محض لوگوں کو دکھانے کے لئے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔

بلاشبہ انسان کے صبر اور ظرف کا سب سے بڑا امتحان یہ ہے کہ جو لوگ اس کے ممنون احسان ہیں وہ نہ صرف احسان فراموش ہوں بلکہ درپے آزار بھی ہوں۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ صبر جواب دے جاتا ہے اور انسان اپنا کیا ہوا احسان یاد کرتا اور یاد دلاتا ہے قرآن نے اسی یاد دہانی کو ایذارسانی سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ ایذاءرسانی کی سرحدیں ریاکاری سے مل جاتی ہیں اور ریاکاری نیکیوں کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے، انسان کی قوت برداشت کے لئے سب سے بڑا امتحان جذبات کا ہوتا ہے۔ اور قرآن نے اپنے مخاطب کو اس امتحان میں بھی کھرا ثابت ہونے کی تاکید کی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت داد ودہش کرنے والے آدمی تھے۔ ان کا ایک عزیز مسطح بن اثاثہ تھا، جس کے ساتھ انہوں نے بڑا فیاضانہ سلوک کیا تھا۔ قسمت کی گردش کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے بہت بڑا الزام لگایا تھا جو واقعہ افک کے نام سے مشہور ہے۔ عزیز قریب ہونے کے باوجود مسطح بھی منافقوں کی اس سازش میں دانستہ یا نادانستہ شریک تھا، حرم نبوی پر اس بہتان طرازی سے ایک دنیا حیران وپریشان تھی کچھ مدت بعد حضرت ام المومنین کی براءت کی آیتیں نازل ہوئیں، ساری مسلم آبادی نے اطمینان کا سانس لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو خوشی سے نہال ہی ہوگئے تھے، مگر اس بات پر رنجیدہ بھی تھے کہ پیاری بیٹی کو بدنام کرنے والوں میں غیروں کے ساتھ مسطح جیسے اپنے بھی شامل ہیں اب انہوں نے قسم کھالی کہ میں آئندہ مسطح کو کچھ دوں گا۔ دلاؤں گا نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر اللہ کا یہ فیصلہ نازل ہوا۔ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۲) تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے، انھیں معاف کردینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے کہ اللہ تمہیں معاف کردے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یتیم سے کس نے کہہ دیا کہ ساری دنیا تمہاری دوست ہے؟ یا یہ

کہ تم اپنی خیر خیرات ڈھونڈ ڈھونڈ کر دوستوں ہی کو پہنچاؤ اور دشمنوں کو پاس نہ آنے دو؟ تمہیں عفو و درگزر کا شعار اپنانا چاہیے۔ تمہاری دولت راہ خدا میں خرچ ہونی چاہیے۔ تمہیں بندوں سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ تمہاری طلب رحم و کرم کی ہے جو اللہ ہی سے مل سکتی ہے جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہاری لغزشیں اللہ تعالیٰ معاف فرمادے اسی طرح تم ان لغزشوں کو بھی معاف کردو جو تمہارے باب میں بندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ایک بچھو نے تمہیں ڈنک مارا ہے مگر اس کے جواب میں یہ زہر بھرا ڈنک تمہیں کہاں سے مل گیا؟

اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ تم بھی بخشش و رحم کی راہ اختیار کرو جیسے اس کے دسترخوان پر دوستوں کے ساتھ دشمنوں کا جمگھٹا رہتا ہے، تمہارے لین دین میں بھی دوست دشمن کی کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلاتکلف فرمایا انی لاحب ان یغفر الله لی بلاشبہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے۔ پھر آپ نے مسطح کے ساتھ حسن سلوک جاری رکھا اور قسم کا کفارہ ادا فرمایا کہ

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من آسا

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا حساب کتاب لیا جائے گا ان میں مجاہد، عالم اور مالدار، یہ تینوں بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے پوچھے گا، تم نے میری عطا کردہ نعمت کس کام میں خرچ کی؟ مجاہد کہے گا کہ اے اللہ! میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتی کہ اپنی جاں نثار کردی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اس شہادت کی غرض و غایت یہ تھی کہ تو چاہتا تھا کہ بہادر کا خطاب حاصل کرے۔ دنیا والوں نے تجھے یہ خطاب دے دیا اب آسمان والے سے تجھے کیا لینا ہے؟ عالم قرآن جواب دے گا کہ بار الہ میں نے علم سیکھا، سکھایا اور تیری خوشنودی کی خاطر قرآن پڑھا پڑھایا اس پر ارشاد ہوگا کہ یہ کام تو نے عالم، فاضل کہلانے کے لئے کئے تھے۔ دنیا والے تجھے ان لقبوں سے نواز چکے، یہاں تیرے لئے کچھ نہیں ہے۔ مالدار شخص بھی اپنے انفاق وایثار کی داستان سنائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ سب درست مگر تو چاہتا ہے کہ دنیا والے تجھے سخی کہیں، سو تجھے یہ لقب مل چکا۔ تیرے لئے یہاں کیا رکھا ہے؟ پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان تینوں کو جہنم میں جھونک دیں۔

یہ حدیث اس بات میں بالکل قطعی ہے کہ ریاکارانہ اعمال نہ صرف یہ کہ رائیگاں جاتے ہیں۔ بلکہ وبال جان بن جاتے ہیں اور اردو محاورے کے مطابق لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں، عذاب کی شدت اور وعید کی سختی ہمیں محسوس ہو یا نہ ہو، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ فی الواقع بڑا ہوش ربا ہے۔ انسان نے دنیا میں نیکی نہ کی ہو۔ اللہ کی نعمتوں کو ذاتی عیش و عشرت، آرام و آسائش، سہل پسندی و عافیت طلبی میں خرچ کر چکا ہو تو اسے اخروی زندگی سے کوئی توقع نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا فلسفۂ حیات تو یہ تھا۔

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

مگر جن لوگوں نے محنتیں کیں، دکھ درد جھیلے، ملک و ملت کے تعمیری اور فلاحی کاموں میں دامے، درمے، سخنے قدمے حصہ لیا اور بجا طور پر آخرت کی بھلائی کی امید رکھی، ایسے لوگوں کی حرماں نصیبی بڑی دردناک ہوگی۔ قرآن کریم نے ایک تمثیل کی شکل میں ریاکاری کی ناامیدی کا بڑا ہی عبرت انگیز نقشہ کھینچا ہے۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (البقرہ:۲۶۶)

کیا تم میں سے کوئی آدمی بھی یہ بات پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں کے درختوں اور انگوروں کے بیلوں کا ایک باغ ہو، اس میں نہریں بہہ رہی ہوں نیز اس میں اور بھی ہر طرح کے پھل پھول پیدا ہوئے ہوں پھر ایسا ہو کہ جب بڑھاپا آجائے اور ناتواں اولاد اس آدمی کے چاروں طرف جمع ہوں تو اچانک ایک جھلسی ہوئی آندھی چلے اور آن آن میں باغ جل کر ویران ہو جائے؟ اللہ ایسی ہی مثالوں کے پیرایہ میں تم پر حقیقت کی نشانیاں واضح کر دیتا ہے تا کہ غور و فکر سے کام لو۔

کیا مؤثر مثال دی ہے! ہرا بھرا باغ، ہر قسم کے میووں سے لدا ہوا۔ نیز چھوٹے چھوٹے بچوں کا واحد سہارا، بچوں کا باپ بوڑھا گھر باہر قسم دھکیلے گو راندر بلائے اس بڑھاپے میں زندگی بھر کی کمائی پلک جھپکتے جل بھن کر خاک سیاہ ہو جائے بچوں کے در در کے بھکاری بن جانے کا اندیشہ لاحق ہو، بوڑھے باپ کو زندگی تو کیا اطمینان کی موت بھی نصیب نہیں۔ کیسا المیہ اور کیسا دردناک نقشہ ہے یہی حال ریاکار کا بھی ہے کہ اس نے دنیا میں ایک کھیتی بوئی تھی کہ آخرت میں کاٹے گا، مگر عین اس وقت پر کہ اسے اس کی ضرورت ہوگی ساری کھیتی نابود ہو چکی ہوگی۔ یاس و حسرت کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

امام دارمی کی روایت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے اللھم اجعل عملی کله صالحا واجعله لوجهك خالصا ولا تجعل لاحد فيه شيئا اے اللہ میرے تمام اعمال کی اصلاح فرمادے، انہیں اپنے لئے مخصوص کر لے اور ان میں تیرے سوا کسی کا کچھ حصہ نہ رکھ۔

اللہ تعالیٰ یہ دعا ہر مسلمان کے حق میں قبول فرمائے۔ آمین

☆☆☆

پندرہ روزہ ترجمان

پڑوسی کے حقوق

ابوعدنان سعید الرحمٰن نورالعین سنابلی
المرکز الاسلامی الثقافی الہندی للترجمۃ والتالیف، نئی دہلی
Mob. 8285162681

انسان فطرتاً معاشرت پسند واقع ہوا ہے۔انسان جہاں کہیں بھی آباد ہوتا ہے، وہاں موجود لوگوں کے اس پر کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں۔ایک انسان پر اس کے اپنے والدین، بھائی بہن، بیوی بچوں بلکہ تمام متعلقہ افراد کے کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ایک سچا پکا مسلمان وہی ہوتا ہے جو اپنے اوپر عائد دوسرے افراد کے حقوق کی مکمل طور پرانجام دہی کرتا ہے اور ان میں کسی بھی طرح سے کاہلی اور تساہلی کا ثبوت نہیں دیتا ہے۔ایک مسلم شخص پر جن افراد کے حقوق عائد ہوتے ہیں، ان میں ہمارے پڑوس میں آباد افراد اور ہمسایے بھی ہیں۔شریعت اسلامیہ نے پڑوسیوں کے ساتھ احسان مندی، حسن سلوک اور بہتر برتاؤ کی پرزور تعلیم دی ہے تاکہ معاشرہ میں باہمی الفت و محبت، نصرت واعانت اور ہمدردی وغمگساری کا جذبہ پروان چڑھے، میل جول، باہمی تعاون اور نصح وخیرخواہی کو فروغ حاصل ہو اور پھر اس کے نتیجے میں امن وامان، سکھ شانتی اور چین وسکون کی فضاء بحال ہو۔پڑوسی یا ہمسایہ کے حقوق کے تعلق سے جب ہم کتاب وسنت کے نصوص کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ہمسایوں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی حد درجہ تاکید فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا(سورۃ النساء:۳۶) یعنی اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں (غلام اور کنیز) یقیناً اللہ تکبر کرنے والے اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔

اس آیت کریمہ کے ضمن میں مفسرین نے لکھا ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہوتے ہیں۔ایک وہ ہوتے ہیں جو کہ کافر ہیں ان کا ہم پر صرف پڑوسی اور ہمسائیگی کا ایک حق ہے، دوسرے وہ ہیں جو مسلمان ہیں اور پڑوسی بھی ہیں تو ہمارے اوپر ان کے دو حقوق ہیں۔ایک مسلمان ہونے کا اور دوسرا پڑوسی ہونے کا اور تیسرے وہ لوگ ہیں جو مسلم ہیں، ہمارے پڑوسی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ رشتے دار بھی ہیں تو پھر ان کے ہم پر اسلام، ہمسائیگی اور رشتے داری تین تین حقوق ہیں۔

جب ہم کتاب وسنت کے نصوص کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ مذہب اسلام نے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک اور بہتر برتاؤ کرنے پر حد درجہ زور دیا ہے۔نیز پڑوسیوں سے متعلق وارد اسلامی تعلیمات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے ساتھ غلط رویہ رکھتا ہے، انہیں اذیت دیتا ہے اور پریشانی میں مبتلا کرتا ہے تو پھر اسے سخت عذاب اور وعید الٰہی کی دھمکی دی گئی ہے۔اگر پڑوس کے ساتھ حسن سلوک کا اندازہ لگانا ہو تو ہمیں اس حدیث کو پڑھنا چاہئے جسے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مازال جبرئيل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيؤرثه'' یعنی جبرئیل علیہ السلام پڑوسی کے بارے میں ہمیں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ اس کو وارث بنادیں گے۔(صحیح بخاری/973)

پڑوسی اور ہمسایہ کی اتنی فضیلت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ہمیشہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں وصیت کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ حسن سلوک پر ابھارتے تھے۔یہی نہیں، اگر کوئی انسان پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا، اسے اذیتیں دیتا ہے اور اسے اپنے مظالم کا شکار بناتا ہے تو پھر ایسے شخص کے بارے میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ ایسا انسان کامل مومن نہیں ہوسکتا ہے۔ابوشریح عدوی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس انسان کا ایمان کامل نہیں ہے، اس انسان کا ایمان کامل نہیں ہے، اس انسان کا ایمان کامل نہیں ہے۔صحابہ کرام نے عرض کیا: کس کا یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: ''من لا يؤمن جاره بوائقه'' یعنی جس کی اذیتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ رہ سکے۔(صحیح بخاری/975)

پڑوسی کا مقام ومرتبہ کس قدر عظیم ہے کہ اگر کوئی شخص اسے تکلیف دیتا ہے، اذیت میں مبتلا کرتا ہے اور اس پر ظلم وستم کرتا ہے تو اس شخص کے کمال ایمان کی نفی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کا ایمان کامل ہی نہیں ہوسکتا ہے۔اس بات کا اندازہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره'' یعنی جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے۔(صحیح بخاری/977)

پڑوسیوں کو اذیت دینا اور انہیں ستانا کس قدر جرم عظیم ہے کہ اس جرم میں ملوث انسان کو جہنمی بتایا گیا۔مشہور واقعہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی حاضر ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! فلاں عورت کے تعلق سے مشہور ہے کہ وہ نوافل کی بے حد پابند ہے، صدقہ وخیرات کرتی ہے اور بہت زیادہ روزے رکھتی ہے لیکن اس میں ایک خامی یہ ہے کہ اس کی زبان سے اس کے پڑوسی محفوظ نہیں رہ پاتے ہیں۔یہ سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو وہ خاتون جہنمی

ہے۔اس کے بعداس شخص نے کہا کہ ایک خاتون ہے نہ تو وہ زیادہ نفل ادا کرتی ہے، نہ صدقہ وخیرات اور نہ ہی روزے زیادہ رکھتی ہے لیکن اس میں ایک خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہیں دیتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنتی ہے۔(مسند احمد)

انہی فضائل اور فوائد کے پیش نظر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر پڑوسی اور اچھے ہمسایہ کو سعادت اور خوش بختی قرار دیا ہے۔مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''وہ شخص بے حد خوش نصیب ہے جس کو اچھا پڑوسی ملے، کشادہ گھر اور اچھی سواری نصیب ہو''۔

برے پڑوسی سے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ اس وجہ سے انسان کا ایمان غارت ہو، وہ گناہوں میں ملوث ہو اور برے ہمسایے کی نحوست اور بدبختی اس کی ذات تک متعدی ہو، اس کی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم برے پڑوسی سے پناہ مانگا کرتے تھے اور اپنی امتیوں کو اس بات کی تاکید کیا کرتے تھے کہ وہ برے پڑوسیوں سے پناہ مانگا کریں۔(مستدرک حاکم)

اگر انسان کا پڑوسی حقیقتاً برا ہو تو اس سے مرد مومن کا دین وایمان سب کے تعلق سے ڈر اور خوف لاحق ہوتا ہے۔ہمیں حکم ہے کہ اگر ہمارا کوئی ایسا پڑوسی بدچلن ہو، بداخلاق ہو، بدکردار ہو، بدتمیز ہو، بے ہودہ گوئی کا خوگر ہو، برائیوں اور فحاشیوں میں لت پت ہو اور آپ کو تکلیفیں پہنچاتا ہو ہم اس کے مظالم پر صبر کریں اور اسے نیک کام کی تلقین کریں، ورنہ پھر اس تعلق سے احادیث کے ذخیرے میں زمانہ رسالت کا ایک واقعہ ملتا ہے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنے پڑوسی کی شکایت کی۔آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور صبر کرو، وہ دو یا تین بار آیا۔آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور اپنا سامان گھر سے نکال کر راستہ میں پھینک دو۔اس نے اپنا سامان راستہ میں پھینک دیا۔لوگوں نے اس سے وجہ پوچھی تو اس نے ہمسائے کی تکلیف سے انہیں باخبر کردیا تو لوگ اس ہمسائے کو لعنت ملامت کرنے لگے کہ اللہ اس کے ساتھ ایسا کرے، ویسا کرے اس کا پڑوسی اس کے پاس آیا کہ تو سامان لے کر گھر لوٹ چلو، آئندہ مجھ سے ناگواری کی کوئی بات نہیں دیکھو گے۔(سنن ابوداود/1742)

یہ چند نمونے تھے جن سے ہم نے دیکھا کہ پڑوسیوں کے ساتھ احسان مندی اور بہتر سلوک کرنے کی کس قدر فضیلت وارد ہے، ان کے ساتھ بہتر تعلق اور عمدہ برتاؤ کو شریعت اسلامیہ نے کس قدر مستحسن قرار دیا ہے اور ان کے ساتھ غلط برتاؤ اور برا رویہ رکھنے کو کتنا سنگین اور قابل وعید بتایا گیا ہے۔کتاب وسنت کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ہمسایوں کے کچھ حقوق متعین کئے ہیں، نیز پڑوسیوں کے تعلق سے کچھ تعلیمات وہدایات دی ہیں جن کی پاسداری کو ہر اس مسلمان پر ضروری قرار دیا ہے جو دنیا وآخرت کی سعادت وکامرانی کا خواہاں ہو۔

پڑوسیوں کے حقوق کی بات ہو تو اس تعلق سے ایک معروف حدیث ہے جو بطریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے پڑوسی کی طرف سے اپنے اہل ومال پر خوف محسوس کرتے ہوئے اپنا دروازہ بند کرلے وہ پڑوسی مومن نہیں اور جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو وہ مومن نہیں۔کیا تمہیں معلوم ہے کہ پڑوسی کے حقوق کیا ہیں؟ جب وہ تم سے مدد چاہے تو اس کی مدد کرو، جب قرض طلب کرے تو اسے قرض دو، جب محتاج ہو تو حاجت روائی کرو، جب بیمار ہو جائے تو اس کی تیمارداری کرو، جب اسے کوئی خیر پہنچے تو مبارک باد دو، جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو اسے تسلی دو، جب اس کا انتقال ہو تو اس کے جنازے میں شرکت کرو، اس کے سامنے اتنی اونچی عمارت نہ کھڑی کرو کہ اس کی ہوا رک جائے الا یہ کہ وہ اجازت دے دے، گھر میں پکنے والے سالن کی خوشبو سے اسے اذیت نہ دو، الا یہ کہ تھوڑا سالن اس کے یہاں بھی بھجوا دو، جب اپنے گھر کے لئے پھل خریدو تو اس میں سے کچھ ہدیہ کرو۔اگر ایسا کرنا مشکل ہو تو پھر رازداری سے اپنے گھر لاؤ اور تمہارے بچے اسے لے کر باہر نہ نکلیں مبادا اس کے بچوں کے دلوں میں حسرت پیدا ہو۔(**مکارم الاخلاق للخرائطی ح/ 222، مساوئ الاخلاق للخرائطی/ 402، المنتقی من مکارم الاخلاق لأبی طاهر السلفی/ 104، مسندالشامیین للطبرانی/ 2430**، یہ لمبی حدیث ہے جس کی صحت وضعف کے تعلق سے علمائے تحقیق کا اختلاف ہے۔شیخ البانی نے الترغیب والترہیب میں ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام منذری نے الترغیب والترہیب میں کہا ہے کہ یہ حدیث مختلف طرق اور شواہد کی بناء پر تقویت حاصل کرلیتی ہے۔)

یہ لمبی حدیث ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے مختلف حقوق بیان کئے ہیں اور بتایا ہے کہ ان حقوق کی ادائیگی ہر مسلمان پر ضروری ہے اور اگر کوئی شخص کوتاہی کرتا ہے تو پھر اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے۔

پڑوسی کے حقوق کی بات ہو تو اس تعلق سے سب سے پہلی بات ہمیں یہ یاد رکھنی چاہئے کہ اگر پڑوسی کی کوئی ضرورت آپ سے متعلق ہو تو آپ کو ہمیشہ اپنا دل کشادہ رکھنا چاہئے اور پڑوسی کی ضرورت کی تکمیل میں ہمہ وقت کوشاں رہنا چاہئے کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''**لا یمنع جار جاره أن یغرز خشبة فی جداره**''یعنی کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھونٹیاں گاڑنے سے منع نہ کرے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ کیا بات ہے کہ میں تجھ کو اس حدیث سے روگردانی کرنے والا پاتا ہوں۔واللہ میں تمہارے مونڈھوں کے درمیان گاڑ کر رہوں گا۔(صحیح بخاری/2362)

اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پڑوسی کے ذریعہ دوسرے پڑوسی کی دیوار میں لکڑی، کھونٹی یا اس جیسی کوئی دوسری چیز آویزاں کرنے سے نہ روکنے کی تلقین کی ہے کہا ہے کہ کسی بھی پڑوسی کو اس سے نہیں روکنا چاہئے کیونکہ معاشرتی زندگی کا یہ اصول ہے کہ وہ باہمی تعاون اور آپسی معاونت سے چلتی ہے۔اگر

ہر کوئی اپنی ذات تک سمٹ کر رہنا چاہے اور اپنے مفاد کے بارے میں ہی سوچے تو پھر اس کے لئے پنگھٹ کی ڈگر بہت مشکل ہوگی اور یہ زندگی انسان کے لئے اجیرن اور وبال بن کر رہ جائے گی۔

پڑوسیوں کے باہمی حقوق میں سے ایک اہم حق یہ ہے کہ انہیں باہم تحفے تحائف کا تبادلہ کرتے رہنا چاہئے کیونکہ ان سے دلوں میں الفت ومحبت پیدا ہوتی ہے اور دلوں سے نفرت وکدورت کا خاتمہ ہوتا ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تھادوا تحابوا'' کہہ کر یہ پیغام دیا ہے کہ ہدیہ اور تحفے تحائف کو محبت کے فروغ میں بہت اہم رول حاصل ہے۔لہٰذا، پڑوسیوں کا باہم تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ضروری ہے تاکہ دلوں میں نفرت وعداوت جگہ نہ بنا سکے اور محبتوں کا بول بالا ہو۔ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: اے ابوذر! جب تو سالن پکاؤ تو اس کے شوربے کو زیادہ کرلیا کرو اور اپنے پڑوسی کی خبر گیری کرلیا کرو۔(صحیح مسلم/ 2187)

آپ تصور کریں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کی دلجوئی کی تاکید کرتے ہوئے سالن کا شوربہ تک بھیجنے کا حکم دیا ہے۔اگر ہم اس حدیث پر ہم عمل کرلیں اور پڑوسیوں کے گھر تحفے تحائف چاہے وہ سالن کی شکل میں ہی کیوں نا ہو، بھیجا کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ نفرت وعداوت، کینہ کپٹ، حقد وحسد، دشمنی اور ناچاقی جیسی چیزیں ہمارے بیچ میں جگہ پا جائیں۔

اگر پڑوسی ایک سے زائد ہوں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں بھی رہنمائی فرمائی ہے کہ ہمارے تحفہ اور ہدیہ کا اس صورت میں سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: میرے دو پڑوسی ہیں، ان میں سے کس کو میں ہدیہ بھیجا کروں؟ آپ نے فرمایا: ''ان دونوں میں سے جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو''۔(صحیح بخاری/ 2487)

عام طور پر عورتوں کے اندر یہ بیماری پائی جاتی ہے کہ وہ مختصر چیز تحفے وتحائف میں دینے کو اپنے لئے باعث شرم وعار سمجھتی ہیں اور وہ سوچتی ہیں کہ کچھ خاص چیز ہو یا کوئی اسپیشل ڈش ہو تبھی کسی کو ہدیہ دیا جائے۔اس بات پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو خصوصی ہدایت کی اور انہیں مخاطب کرکے کہا: ''**یانساء المسلمات! لاتحقرن جارة لجارتها ولو فرسن شاة**'' یعنی اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو تحفہ میں ہلکی چیز تک دینے میں حقارت محسوس نہ کرے، اگرچہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔

ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی پر یہ بھی حق ہے کہ وہ اپنے ساتھی پڑوسی کے جان و مال اور آل واولاد کا محافظ بن کر رہے اور ان چیزوں میں ہرگز خیانت کا مرتکب نہ ہو کیونکہ ایک پڑوسی اپنے ساتھی پڑوسی پر بھروسہ کرکے سفر کرتا ہے یا اپنا گھر بار چھوڑ کر تلاش معاش میں باہر جاتا ہے، اب اگر اس کا ساتھی پڑوسی ہی اس کے ساتھ خیانت کرتا ہے تو ایسا شخص سنگین جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یا کسی اور نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو اس کی صفت میں شریک کرنا حالانکہ وہی تمہارا پیدا کرنے والا ہے۔میں نے کہا: پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: اولاد کو اس خیال سے مارڈالنا کہ یہ ہمارے مال میں شریک ہوگی اور ہم اس کو کس طرح کھلائیں گے اور اس کے بعد اپنے دوست یا پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا۔اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق میں یہ آیت تلاوت فرمائی ''**وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ**...''.الخ سورۃ الفرقان/ 68 (صحیح بخاری/ 1961)

اسی طرح سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کو حق شفعہ عطا کیا ہے۔عمرو بن شرید بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ابورافع رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص سے کہا کہ میرے دو گھر تمہارے محلے میں ہیں، تم انہیں خرید لو۔انہوں نے انکار کیا تو ان کے ساتھ کھڑے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے ان پر زور ڈال کر کہا کہ تم اسے ضرور خرید لو۔چنانچہ انہوں نے ان مکانوں کے چار سو درہم لگائے اور کہا کہ اس سے زیادہ نہیں دوں گا۔ابورافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے تو اس کے پانچ سو درہم مل رہے تھے لیکن ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ پڑوسی، شفعہ کا زیادہ مستحق ہے۔لہٰذا، میں یہ دونوں گھر تمہیں ہی دیتا ہوں۔(صحیح بخاری/ 2115)

ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ پڑوسی بالکل ملے ہوئے مکان کا زیادہ حقدار ہے۔(سنن ابوداود/ 123)

سابقہ سطور سے یہ اندازہ لگ گیا ہوگا کہ شفعہ کس کو کہتے ہیں۔شفعہ فقہاء کی اصطلاح میں اس حق کو کہتے ہیں جو پڑوسی کو بطور پڑوسی کے حاصل ہوتا ہے کہ اگر کوئی اپنا مکان، زمین یا جائیداد بیچنا چاہتا ہے تو اس کو خریدنے کا پہلا حق اس کے پڑوسی کا ہے۔اگر وہ کسی وجہ سے عذر کردیتا ہے تو پھر دوسرے کو بیچا جاسکتا ہے۔بعض فقہاء کہتے ہیں کہ حق شفعہ صرف استحباب کی حد تک ہے، لازمی نہیں جبکہ دوسرے کہتے ہیں کہ حق شفعہ لازمی ہے اور پڑوسی کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔

اس کے علاوہ سب سے اہم حق یہ ہے کہ آپ اپنے پڑوسی کے تئیں بہتر سوچیں اور اپنی ذات اور اپنے نفس کے لئے جس چیز کو پسند کریں، وہی اپنے پڑوسی اور اپنے ہمسایہ کے لئے پسند کریں۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**لایؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه أو قال لجاره مایحب لنفسه**'' یعنی تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی یا پڑوسی کے لئے وہی چیزیں پسند نا کرے جو اپنے نفس اور اپنی ذات کے لئے کرتا ہے۔(صحیح مسلم/ 45)

☆☆☆

انسان، دنیا اور آخرت

امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ

سب سے بڑا دنیوی فتنہ اور دھوکہ یہ ہے کہ انسان دنیا کے فوری فوائد کے فریب میں پھنس جائے اور آخرت کے مقابلے میں اسے ترجیح دے۔ انسان دنیا کے قلیل سے قلیل فائدے سے خوش ہو جاتا ہے اور اس قسم کے فریب خوردہ لوگوں کی باتیں بھی کچھ عجیب وغریب ہوا کرتی ہیں۔ بعض تو یہاں تک کہنے لگتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار، اور ادھار کے مقابلے میں نقد زیادہ سودمند ہوتا ہے۔ کچھ اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ نقد ذرہ ادھار موتی سے بہتر ہے، اور کچھ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ دنیا کی لذتیں یقینی ہیں اور آخرت مشکوک ومشتبہ۔ مشکوک ومشتبہ چیز کے لیے یقینی چیز چھوڑی نہیں جاسکتی۔

یہ تمام باتیں شیطان کا دھوکہ اور فریب ہیں۔ ایسی سمجھ کے انسانوں سے تو جانور زیادہ عقل منداور سمجھدار ہوتے ہیں۔ مضرت رساں چیز سے تو جانور تک دور بھاگتے ہیں، جانور کو مارا اور پیٹا جائے، تب بھی وہ مضرت رساں چیز کی طرف نہیں بڑھتا، مگر افسوس کہ جان بوجھ کر انسان ایسی چیزوں کی طرف اقدام کرتے ہیں جو ان کے حق میں سخت مضر اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔ ان چیزوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، پھر بھی یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب اس قسم کے لوگ اگر اللہ اور اس کے رسول پر، بارگاہ الٰہی میں حاضری پر، اور قیامت کی جزا وسزا پر ایمان رکھتے ہوئے ایسا سمجھ رہے ہیں تو ان سے زیادہ کوئی محروم وبدنصیب نہیں۔ ان سے زیادہ حسرت ویاس کا مستحق کون ہوسکتا ہے کہ باوجود علم وایمان کے وہ ایسا کررہے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر اگر وہ ایمان ہی نہیں رکھتے تو پھر ان سے زیادہ کوئی محروم وبدنصیب ہو ہی نہیں سکتا۔

ادھار سے نقد بہتر گردانے والے کے لیے جواب ہے کہ یہ اسی وقت ہے جب نقد اور ادھار مساوی اور برابر کی حیثیت رکھتے ہوں، لیکن اگر نقد اور ادھار مساوی اور برابر نہیں، بلکہ ادھار زیادہ اور نفع بخش ہے تو یقیناً ادھار ہی افضل وبہتر ہے۔ حقیقت یہ ہو تو پھر دنیا کے نقد کو آخرت کے ادھار سے کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ جب کہ ابتدا تا انتہا ساری کی ساری دنیا آخرت کے مقابلے میں ایک سانس کے برابر بھی نہیں ہے، جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی شریف میں حضرت مستورد بن شداد سے مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما الدنیا فی الآخرۃ الا کما یدخل أحدکم اصبعہ فی الیم فلینظر بماذا یرجع؟ (ترمذی:زھد) آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت اتنی ہی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈالے اور پھر دیکھے کہ انگلی کے ساتھ کتنا پانی آتا ہے؟

درحقیقت آخرت نقد ہے اور دنیا ادھار۔ اس نقد کو ایسے ادھار کے عوض تباہ وبرباد کردینا ایک بڑا خسارہ اور بدترین جہالت وبے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟ پوری دنیا کی حیثیت جب آخرت کے مقابلے میں یہ ہے تو پھر ایک انسان کی عمر کی حیثیت کیا ہوسکتی ہے۔ اہم سوال یہ ہے کہ عاقل کے نزدیک دونوں میں سے کون سی چیز افضل وبہتر ہے؟ اس مختصر سی مدت کی قلیل ترین چیز کو اختیار کرنا، اور آخرت کی دائمی خیر وبھلائی کو ٹھکرا دینا، یا ایک حقیر وکمتر اور جلد سے جلد ختم ہوجانے والی چیز کو اس لیے ترک کردینا کہ اس کے عوض بیش قیمت چیز حاصل کی جائے جو نہ کبھی انسان کے وہم وگمان میں آسکی ہے، نہ جس کی بہتات کا کوئی شمار ہے، اور جس کے ختم ہونے کی کوئی میعاد ومدت بھی نہیں ہے۔

دوسرے قول کہ یقینی چیز کو مشکوک ومشتبہ چیز کے مقابلے میں ترک نہیں کیا جاسکتا کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعید اور اس کے پیغمبروں کی صداقت پر اگر یقین ہے تو جو کچھ دنیا کا نقد چھوڑ رہے ہو، اس کی حیثیت ادنی سے ادنی ذرے سے زیادہ نہیں اور وہ آناً فاناً ختم ہونے والا ہے۔ آخرت یقینی چیز ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں اور وہ کبھی منقطع ہونے والی بھی نہیں۔ اس میں اگر شک وشبہ ہے تو پروردگار عالم کی آیات اور نشانیوں پر غور کرنا چاہیے جو اس کے وجود اس کی قدرت، مشیت، وحدانیت، پیغمبروں کی حقانیت وصداقت اور پیغمبروں کے پیش کردہ صراط مستقیم کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔ پورے پورے تجرد ویکسوئی کے ساتھ آیات الٰہیہ پر غور کیجئے اور سوچیے، ہمت وعزیمت کے ساتھ کھڑے ہوجایئے، غور وتدبر کیجئے اور بحث ومناظرہ کیجئے تا آنکہ اچھی طرح واضح ہوجائے کہ انبیائے کرام نے خدا کی جانب سے جو کچھ پیش کیا ہے، وہ بالکل حق اور صحیح ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اس دنیا کا خالق بھی وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق اور پروردگار ہے۔ اس کی شان نہایت بلند وبالا ہے۔ ہر قسم کے نقائص سے منزہ اور پاک ہے۔ انبیائے کرام نے اس ذات مقدس کے متعلق جو خبریں پہنچائی ہیں وہ بالکل حق ہیں۔ اس کے خلاف اگر کوئی شخص ذات الٰہی کے متعلق کہتا ہے تو وہ خدا کو گالی دے رہا ہے، اسے جھٹلا رہا ہے، اس کی الوہیت وربوبیت، اس کے ملک ومملکت اور اس کی شہنشاہی کا انکار کررہا ہے، کیونکہ فطرت سلیم کے حامل ہر شخص کے نزدیک یہ امر محال وممتنع ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک احکم الحاکمین کسی طرح بھی عاجز وبے بس ہے، یا وہ جاہل وبے خبر ہے کہ اس کے علم سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی چھٹی ہوئی ہے، یا وہ سنتا نہیں، کلام نہیں کرتا، بندوں کو مامور نہیں کرتا، بری چیزوں کی ممانعت نہیں

رکتا، نیکی کا بدلہ ثواب اور بدی کا بدلہ عذاب نہیں دیتا، عزت و ذلت کا مالک نہیں کہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے، اپنے ملک ومملکت میں اور مملکت کے اطراف وجوانب میں اپنے پیغمبروں کو نہیں بھیج سکتا، اپنی مخلوق اور رعایا کی پروا نہیں کرتا، ان کے حالات واطوار کی خبر نہیں رکھتا، اس نے ان کو بے کار اور لایعنی چھوڑ دیا اور انہیں مہمل اور آزاد پیدا کیا ہے۔ یہ باتیں تو دنیا کے بادشاہوں کی بھی شان کے خلاف ہیں، چہ جائیکہ مالک الملک، بادشاہ حقیقی، احکم الحاکمین کی ذات مقدس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں۔

انسان اپنی ابتدائی خلقت، نطفے سے لے کر پیدائش، شیر خوارگی، بچپن اور جوانی کے حالات پر غور کرے تو اسے پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ وہ ذات جس نے انسان کی تخلیق وتربیت کا یہ نظام قائم کیا اور جس نے اسے ان مختلف حالات سے گزارتے ہوئے اس منزل تک پہنچایا، مختلف اخلاق واطوار سے اسے نوازا، اس کے لیے کیا یہ سزاوار ہے کہ انسان کو بالکل مہمل وبے کار چھوڑ دے؟ کسی قسم کے حکم سے اسے مامور نہ کرے، کسی چیز سے اسے نہ روکے اور اس پر جو حقوق وفرائض عائد ہوتے ہیں، ان سے اسے آشنا نہ کرے، کسی چیز کا اجر وثواب نہ دے، کسی جرم کی سزا نہ دے، اگر بندہ پوری طرح ان چیزوں پر غور کرے تو اس کی آنکھوں کے سامنے یا اوجھل جو کچھ ہے، اس سب کو توحید ورسالت، معاد وآخرت کی کامل ترین دلیل پائے گا۔ نیز ہر چیز اس پر بھی دلالت کرے گی کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے، غرض دنیا کی ہر چیز ان امور کی طرف انسان کی رہنمائی کرے گی۔ ہم اپنی کتاب ایمان القرآن میں حسب ذیل آیت کی تفسیر کے ضمن میں اس کی وجہ استدلال اور طریق دلالت کو پوری طرح واضح کر چکے ہیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (الحاقۃ:٦٩) لوگو! جو چیز تم کو دکھائی دیتی ہے، اور جو چیز تمہیں دکھائی نہیں دیتی، ہم تم سب ہی قسم کھاتے ہیں کہ یہ قرآن بلاشبہ کلام الٰہی ہے، ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا۔

اور یہ آیت بھی ہے: وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذریت:۵۱:۲۱) خود تمہارے اندر بہت سی نشانیاں ہیں، کیا تم کو سوجھتی نہیں۔

اس کی تفسیر کے ضمن میں بھی ہم نے وجہ استدلال اور صورت دلالت پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اگر کامل طور پر غور وتدبر کیا جائے تو خود انسان کا وجود ہی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ خالق حق سبحانہ وتعالیٰ موجود ہے، وہ وحدہ لاشریک ہے۔ رسالت ونبوت حق ہے اور اس کی صفات کمالیہ حق ہیں۔

بہر حال! آخرت کو ضائع کرنے والا ہر دو صورت میں فریب اور دھوکے کا شکار ہے۔ تصدیق ویقین کی حالت میں، اور تکذیب وشک کی صورت میں بھی۔

یہ اعتراض کہ معاد وآخرت، جنت ودوزخ کے متعلق تصدیق جازم اور یقین کامل موجود ہو تو تخلف عمل کیوں کر ممکن ہے؟ یہ دونوں باتیں ایک جگہ جمع ہو ہی نہیں سکتیں۔ بشری طبائع کے مطابق کسی انسان کو بادشاہ وقت بلاتا ہے کہ کل تم ہمارے دربار میں حاضر ہو جاؤ تمہارے فرائض واعمال کا جائزہ لیا جائے گا، تم اگر اس میں ناکام ثابت ہوئے تو تمہیں سخت ترین سزا دی جائے گی، اور اگر کامیاب رہے تو تمہاری کامل عزت افزائی کی جائے گی۔ کیا ایسی اطلاع پانے کے بعد وہ شخص غافل اور بے خبر ہو کر سو جائے گا، کیا حضور شاہی میں کل کی حاضری فراموش کر دے گا، نہ وہ کسی قسم کی تیاری کرے گا، نہ اسے کسی قسم کا خوف وہراس ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض صحیح اور بالکل صحیح ہے۔ اکثر وبیشتر مخلوق پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اور ان پر دو متضاد امور کا مجتمع ہو جانا نہایت تعجب انگیز بھی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ علم ویقین اور تخلف عمل کے بہت سے اسباب ہیں۔ منجملہ یہ کہ علم کی کمزوری اور یقین کی کمی بھی ایک اہم سبب ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ علم کے مدارج مختلف نہیں ہیں، وہ سراسر غلط کہتا ہے۔ غور کیجئے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کو علم تھا کہ پروردگار عالم مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اس کے باوجود بارگاہ الٰہی میں استدعا کرتے ہیں کہ وہ مردہ زندہ کر کے دکھائے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یقین واطمینان میں استحکام فراواں حاصل ہو جائے گا اور جو چیز بطور غیب معلوم ہے، بطور حضور وشہود معلوم ہو جائے۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ليس الخبر كالمعاينة (خبر کی حیثیت معاینہ ومشاہدہ کی نہیں) ضعف علم ویقین موجود ہو اور آخرت کے متعلق مذکور چیزیں سامنے متحضر نہ ہوں، اور جو چیزیں معاد وآخرت کے خلاف ہیں، قلب اکثر اوقات ان میں مشغول ہو اور اس اشتغال کی وجہ سے آخرت کی چیزیں قلب سے محجوب ومستور ہو جائیں۔ بنابریں طبعی مقتضیات، خواہشات وشہوات کا استیلا وغلبہ ہی ہو جائے، نفس کی فریب کاری، شیطان کا دھوکہ، وعدہ آخرت بدیر پورا ہونے کی امید، غفلت کی نیند، موجود وحاضر کی محبت، تاویل کی رخصتیں، شب وروز کی مالوفات سے دل بستگی۔ یہ تمام باتیں جب جمع ہو جائیں تو اس وقت ایمان کو قلب انسانی کے اندر وہی ذات قائم اور باقی رکھ سکتی ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو قائم رکھا ہے اور یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر ایمان وعمل میں لوگوں کے مدارج مختلف ہوا کرتے ہیں، تا آنکہ کمزوری اور ضعف کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ایمان بقدر ذرہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ تمام اسباب جب یکجا ہو جاتے ہیں تو بصیرت واستقلال کی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل صبر ویقین کی مدح وتوصیف فرمائی ہے اور صبر ویقین والوں کو امامت فی الدین کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ (السجدہ:٣٢۔٢٤) اور ہم نے بنی اسرائیل میں پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے، کیوں کہ وہ صبر کرتے تھے اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔'' الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي'' (مترجم)

☆☆☆

اسلام کا پیغام انسانیت

دین اسلام انسانیت کا ہے دین جو محبت ہے اس میں کسی میں نہیں
ہم محبت کے انسانیت کے امیں ہم مبلغ ہیں انصار دین متیں
ہم مسلمان ہمدرد انسان ہیں
ہم مسلمان ہیں ہم مسلمان ہیں

دیں کا پیغام پیغام انسانیت رب کا احسان انعام انسانیت
دین کا اتمام اتمام انسانیت حسن انجام اکرام انسانیت
آدمیت کے داعی ہیں انسان ہیں
ہم مسلمان ہیں ہم مسلمان ہیں

ہم مجاہد ہیں باطل سے ٹکرائیں گے حق کو اپنائیں گے حق جہاں پائیں گے
داعی امن ہیں امن پھیلائیں گے امن ہوگا وہاں ہم جہاں جائیں گے
خیرامت ہیں ہم اہل ایمان ہیں
ہم مسلمان ہیں ہم مسلمان ہیں

وارثان علوم نبوت ہیں ہم رہنمایان راہ ہدایت ہیں ہم
بت شکن قاطع شرک وبدعت ہیں ہم پاسداران توحید وسنت ہیں ہم
ہم کتاب وسنن کے نگہبان ہیں
ہم مسلمان ہیں ہم مسلمان ہیں

رحمت کل جہاں آخری ہیں نبی سارے انسان ہیں ان کے ہی امتی
رب کا پیغام ہے ان کا پیغام ہی پیروی بس انھیں کی کریں ہم سبھی
ہم مطیع ان کے محبوب رحمٰن ہیں
ہم مسلمان ہیں ہم مسلمان ہیں

فرض ہے ہم پہ اس ذات کی بندگی سارے انسان کو جس نے دی زندگی
انحراف عبادت ہے شرمندگی ہم نہ کیونکر کریں اس کی پابندگی
ہم سبھی رب کے پابند فرمان ہیں
ہم مسلمان ہیں ہم مسلمان ہیں

یا الٰہی ہمیں حق کی پہچان دے ہم کو اسلاف کی شوکت وشان دے
ہم کو توفیق اخلاص واحسان دے حسن اخلاق دے صدیق ایمان دے
دین رحمت پہ ہم دل سے قربان ہیں
ہم مسلمان ہیں ہم مسلمان ہیں

شمیم احمد انصارؔ عمری، پرنسپل جامعہ محمدیہ کھیدوپورہ، مئو

طب و صحت

ڈاکٹر ایم این بیگ
پوسٹ بکس ۱۸، ٹونک-304001
فون: 01432-244018
موبائل: 09460805389

آپ کے سوال ہمارے جواب

سوال: کئی ماہ سے زبان پر چھالے ہوگئے، اس وجہ سے رال بہت بہتی ہے، کبھی کبھی ان چھالوں میں جلن بھی ہوتی ہے، سبزی میں اگر معمولی سی لال چ مرچ ملی ہوئی ہوتو کھا نہیں سکتا، سب ٹیسٹ کرا لئے۔ سب کے سب حوصلہ افزاء ہیں، اگر آپ ادویہ تجویز کردیں تو عنایت ہوگی، جواب اگر جریدہ ترجمان میں شائع ہوتو ضرورت مند فائدہ حاصل کرسکیں گے۔ (عبدالقادر شیخ، پٹنہ)

جواب: منہ کے چھالوں کے اسباب کچھ کم نہیں، اگر دانتوں میں خرابی ہے تو دور ہونا چاہیے، آپ دانتوں کے ڈاکٹر کو دکھایئے اگر دانتوں، مسوڑھوں میں خرابی ہوگی تو ان کے علاج سے دور ہوجائے گی، پھر بھی چھالوں کی تکلیف دور نہ ہو تو آپ مندرجہ ذیل ادویہ استعمال کریں، بفضلہٖ تعالیٰ فائدہ ہوجائے گا۔

ا۔ گولی چیوسی (Tablet Chewc(400mg.

صبح ٹوتھ پیسٹ سے دانتوں کو صاف کرنے اور نیم گرم پانی (جس میں چند بوندیں Dettol کی ملادی گئی ہوں) سے غرارے کرنے کے بعد ایک گولی دھیرے دھیرے چوستے رہیں اور جب وہ پوری طرح گھل جائے، تو 15 منٹ بعد صاف پانی سے کلی کرکے منہ صاف کرلیں۔

اس کے بعد ناشتہ کرلیں اور ایک عدد کیپسول فے سو وٹ Capsule Fasovit پانی سے نگل لیا کریں، پھر دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کیپسول بی کوسول Becosule Capsule ایک عدد پانی سے نگل لیں۔

شام کو 4 یا 5 بجے روئی کی پھریری سے (یہ پھریریاں دوا کے ساتھ ہی ڈبے میں ہوتی ہیں لوشن ہامائی سن Lotion Hamy Cin چھالوں پر لگا کر رال بہائیں اور دس پندرہ منٹ بعد صاف پانی سے غرارے کرلیں۔

شام کو کھانا کھانے سے پہلے یہ پورا عمل دہرائیں، امید ہے کہ چند روز میں چھالے ٹھیک ہوجائیں گے، اور تکلیف دور ہوجائے گی۔

ضروری ہدایات او روضاحت: اگر خدانخواستہ آپ پان یا گٹکھا کھاتے ہیں تو علاج سے پہلے ان سے تائب ہوجائیں تمباکو نوشی کی عادت ہو تو اس کو بھی الوداعی سلام کرلیں سچ تو یہ ہے کہ تندرستی ہزار نعمت ہے۔

چند ماہ تک بغیر مرچ کی ترکاری کھائیں اور کچوری، پکوڑے، پوریاں، وغیرہ کو بھی ترک کردیں۔

نوٹ: اگر قبض ہو تو چورنوں کے بجائے گولی ''ڈل کولیکس'' ایک عدد رات کو سونے سے پہلے پانی سے لے لیا کریں۔

سوال: داد، اکزیما، خارش Scabies نے ہم لوگوں کا جینا دوبھر کردیا ہے، ہمارے علاقے میں یہ تینوں روگ وباء کے طور پر پھیلتے جارہے ہیں، حکیم صاحبان اس کو فساد خون کا نتیجہ بتاتے ہیں، لیکن خون صاف کرنے کی دوائیں اور لگانے کے مرہم صدفی صد فیل ہوچکے ہیں۔

چمڑی روگ کے سپشلسٹ ڈاکٹر، Dexona Avil وغیرہ کے انجکشن تجویز کرتے ہیں، بیحد قیمتی ٹیوبیں تجویز کی جاتی ہیں، لیکن چند دنوں کے بعد پھر وہی ڈھاک کے تین پات مرض عود کر آتا ہے۔

اگر آپ نے ان امراض کی دوائیں ایجاد کی ہوں، جیسی کہ آپ نے Fattyin fil tration کی دوا دریافت کی ہے، تو جلد از جلد مطلع کریں، بہت مہربانی ہوگی۔ (عبدالرحمٰن انصاری اعظم گڑھ)

جواب: ان امراض کی ادویہ موجود ہیں، جو کامیابی کے ساتھ ان امراض کا قلع قمع کردیتی ہیں، آپ پورے اعتقاد کے ساتھ ہمیں حالات مرض کی تفصیل سے آگاہی کریں ہم حسب معمول بلا معاوضہ آپ کو معالجاتی مشورہ دیں گے، یہ سروس فری ہے۔

(نوٹ) جریدہ ترجمان کے ناظرین کسی بھی مرض کی معالجاتی تفصیل دریافت کرسکتے ہیں، مناسب اور مبنی بر تجربات کامیاب ادویاتی اور معالجاتی نسخہ فراہم کردیا جائے گا۔

سوال: کئی سال سے پیچش Dysentry سے پریشان ہوں، روزانہ، دن اور رات میں کم سے کم 4 یا 5 مرتبہ اجابت ہوتی ہے، اور پیٹ میں مروڑ بھی ہوتی ہے، بہت علاج کرایا، لیکن قطعاً افاقہ نہیں ہوا، دوا کھاؤ تب تک افاقہ اور دوا بند کردینے پر، پھر وہی کیفیت، براہ مہربانی اس کے مکمل اور مستقل و دیرپا علاج سے مطلع فرمایئے، عنایت ہوگی۔ (شریف الدین، کولکاتہ)

جواب: اس مرض کا مستقل علاج بہت دقت طلب ہے، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کا مستقل علاج اگر ممکن ہے تو صرف اس صورت میں کہ

اچار اور زیادہ مرچوں سے دور رہیں۔
گوشت کم سے کم کھائیے
آلو چھوے، کچوری، پکوڑوں سے اجتناب کریں،
لال مرچوں کا کچومر والے حلیم، اور قورمے نہ کھائیے۔
کم مرچ والی ترکاری کھائیے،
دہی کھا سکتے ہیں،
کبھی کبھی چاول، مونگ دال کی کھچڑی بھی کھایا کریں،
چٹ پٹی، مصالحوں والی ترکاری سے پرہیز کریں۔

ادویہ:

Tablet Enteroquinol

Tablet unienzyme

دونوں ،ایک، ایک عدد صبح بھی کھانا کھانے کے بعد لیں اور رات کو بھی کھانا کھانے کے بعد لیں

(نوٹ) یہ ہمیشہ لیا کریں، کوئی سائیڈ ایفیکٹ نہیں، بس یہی شافی وکافی علاج ہے۔

وضاحت:

اگر کھانا کھانے کے بعد گلے یا سینے میں جلن ہوتی ہے، کھٹی، کھٹی ڈکاریں آتی ہیں۔ تو اومی Omee کیپسول 20mg صبح فریش ہونے کے بعد ایک عدد ناشتہ کرنے سے پہلے پانی سے لیا کریں، لیموں اور دہی کا بھی روزانہ استعمال نہ کریں۔

وضاحت مزید: ان دو گولیوں اور ایک کیپسول کے استعمال کرنے سے مرض کنٹرول میں رہے گا۔ کوئی پریشانی نہ ہوگی۔

سوال: میری بڑی لڑکی (عمر 18 سال) رتوندے میں مبتلا ہے، آنکھوں کے ڈاکٹروں نے بہت ٹیسٹ کئے اور دوائیں دیں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، ڈاکٹروں کا کہنا ہے علاج ناممکن ہے کیونکہ یہ پیدائشی ہے اگر یہ پیدائشی نہیں ہوتا تو علاج ممکن تھا، اگر آپ کے نزدیک اس کا علاج ممکن ہے تو نسخہ تجویز کردیں عنایت ہوگی۔ (عبدالقادر خاں، حیدرآباد)

جواب: رتوندہ Night blindness (شب کوری اگر پیدائشی ہو تو علاج ممکن نہیں، معذرت خواہ ہوں۔

سوال: میرے دونوں پیروں کے تلوے میں کیلیں ہوگئی ہیں، چلنے پھرنے سے نیم معذوری ہے، بہت تکلیف ہوتی ہے، یہ کیلیں Corns چلنے پھرنے میں دباؤ پڑنے کی وجہ سے چبھتی ہیں، ان کو بلیڈ سے کاٹ دیتا ہوں تو چند روز کے لئے آرام مل جاتا ہے، ورنہ پھر وہی کیفیت اور تکلیف کیونکہ یہ کچھ روز بعد بڑھ جاتی ہیں، اگر ان کو رفع کرنے کا کوئی مرہم وغیرہ ہو تو مطلع فرمائیں، عنایت ہوگی۔ (رحیم الدین مرزا، بھوپال)

جواب: اس کا علاج صرف یہ ہے کہ کارنوں (کیلوں) پر Corn Patch چپکا دیں اور تین چار دن چپکے رہنے دیں، اس کے بعد یہ پیچ ہٹا دیں اور چھوٹے ٹب میں نیم گرم پانی بھر کر پاؤں (پنجے) اس پانی میں ڈبوئے رکھیں، ایک گھنٹے بعد انگوٹھے سے کیل کو مسلیں، کیل برادہ ہوکر ہٹ جائے گی، اسی طرح سب کیلیں صاف کردیں، پھر پاؤں سادہ پانی سے دھوکر کپڑے سے خشک کرلیں اور جوتے پہن لیا کریں۔

(نوٹ) یہ عمل، کیلیں بڑی ہونے پر ہمیشہ کرنا ہوگا، بلیڈ سے کاٹنے میں خطرہ ہے، اس میں کوئی خطرہ نہیں، بس یہی علاج ہے اور جوتے دبیز لیکن نرم سول کے پہنا کریں، یہ Corn Patch ہر بڑے میڈیکل اسٹور پر ملتے ہیں۔

☆☆☆

مکتبہ ترجمان کی

نصابی کتابیں

چمن اسلام قاعدہ	26/-
چمن اسلام اول	20/-
چمن اسلام دوم	26/-
چمن اسلام سوم	28/-
چمن اسلام چہارم	28/-
چمن اسلام پنجم	35/-
چمن اسلام مکمل سیٹ	163/-

مکتبہ ترجمان کی تازہ پیشکش

نکاح نامہ رجسٹر

☆ کتاب وسنت کی روشنی میں تیار شدہ
☆ مارکیٹ میں دستیاب تمام نکاح ناموں سے منفرد۔
☆ نکاح سے متعلق بنیادی احکام ومسائل سے آراستہ
☆ نہایت دیدہ زیب اور آرٹ پیپر پر طباعت
☆ ہر مسجد ومدرسہ کی بڑی ضرورت۔

اوراق: 150 قیمت: Rs.200/-Net

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

(۱)

عالم اسلام کی ایک اہم علمی شخصیت مولانا ابوالاشبال شاغف کا مکہ مکرمہ میں سانحۂ ارتحال

دہلی، ۱/جون ۲۰۱۹ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اپنی ایک پریس ریلیز میں عالم اسلامی کی ایک اہم علمی شخصیت مولانا ابوالاشبال شاغف بہاری ثم پاکستانی ثم سعودی کے سانحۂ ارتحال پر اپنے شدید رنج وغم کا اظہار فرمایا ہے اور ان کی موت کو ملک وملت، جماعت اور علمی دنیا کا عظیم خسارہ قرار دیا ہے۔ موصوف کا ۳۰/مئی کی شب گیارہ بجے مکہ مکرمہ میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

امیر محترم نے کہا کہ مولانا ابوالاشبال صغیر احمد شاغف بہاری مغربی چمپارن، بہار میں پیدا ہوئے اور زیور علوم دینیہ سے آراستگی کے بعد کچھ دنوں تک الدارالقیمہ بھیونڈی میں تحقیقی کام کیا اس کے بعد مدرسہ منظرالعلوم بلی رام پور میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔ ان میں ابتداہی سے مطالعہ کا ذوق وشوق رہا اور علمی مضامین پر خامہ فرسائی کا بھی۔ ان کے بیشتر مضامین الاعتصام پاکستان اور جریدہ ترجمان دہلی کے علاوہ دیگر مستند جرائد ومجلّات میں زیور طباعت سے آراستہ ہوچکے ہیں۔ وہ ہندوستان سے پاکستان چلے گئے۔ پھر پاکستان سے سعودی عرب کا رخ کیا اور وہیں بقیہ زندگی علمی خدمات انجام دیتے ہوئے گذاری۔ انہیں فن اسماء الرجال پر عبور تھا۔ وہ رجال حدیث کی مشہور کتاب تقریب التہذیب کے محقق اور تحفۃ الاشراف للامام مزی کے اولین محققین میں سے تھے۔ آپ کی علمی گہرائی وگیرائی اور ثقاہت وعدالت علمی حلقوں میں مسلم تھی۔ وہ متعدد کتابوں کے مؤلف تھے اور تاحیات علمی وتحقیقی کاموں سے وابستہ رہے جس کی بنا پر ان کی علمی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کے علمی افکار اور فیوض وبرکات سے استفادہ کرنے والوں اور شاگردوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں علم واہل علم سے جٹے رہنے اور کتابوں اور مطالعہ کی میز سے لگے رہنے، علماء کی مجالس میں پیہم شریک وسہیم رہنے، علمی وتحقیقی گفتگو کو ہی ہر مجلس میں موضوع سخن بنائے رہنے کی وجہ سے اللہ جل شانہ نے آپ کو علمی دنیا کا عظیم شہسوار اور اس کے بحر ذخار کے غوطہ خور کی شکل میں نمودار فرمایا تھا۔ وقت کے بڑے بڑے علماء ومشائخ سے آپ کے علمی مراسم اور مجالس اور ملاقاتیں رہا کرتی تھیں۔ علامہ شیخ اللحیدان اور ائمہ حرمین کے علاوہ معالی الشیخ عبداللہ عمر نصیف، عبدالصمد شرف الدین الکتبی وغیرہ سے آپ کے خصوصی ایمانی وعلمی تعلقات تھے۔

امیر محترم نے کہا ان کی وفات نہ صرف ان کے اہل خانہ بلکہ پوری جماعت وملت کا زبردست خسارہ ہے جس کی تلافی بظاہر مشکل نظر آتی ہے۔ قابل ذکر ہے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے مولانا کی ہمہ جہت علمی ودعوتی خدمات کے اعتراف میں ان کو تیسویں آل انڈیا اہل حدیث تاریخی کانفرنس بمقام دہلی کے موقعہ پر ایوارڈ سے نوازا تھا۔ امیر محترم کے علاوہ ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی، ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز، نائبین امیر ڈاکٹر سید عبدالعزیز، حافظ عبدالقیوم، نائبین ناظم عمومی مولانا ریاض احمد سلفی، مولانا محمد علی مدنی، حافظ محمد یوسف چھمہ ودیگر ذمہ داران وکارکنان جمعیت نے ان کے پسماندگان ومتعلقین نیز جملہ سوگواران سے اظہار تعزیت کیا ہے اور ان کے لئے مغفرت اور بلندئ درجات کی دعا کی ہے۔

(۲)

شوال کا چاند دیکھنے کا خصوصی اہتمام کریں

مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی

دہلی: ۳/جون ۲۰۱۹ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی سے جاری اخباری بیان میں عامۃ المسلمین سے اپیل کی گئی ہے کہ مورخہ ۲۹/رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ مطابق ۴/جون ۲۰۱۹ء بروز منگل ماہ شوال ۱۴۴۰ھ کا چاند دیکھنے کا خصوصی اہتمام کریں اور براہ کرم مصدقہ رؤیت کی اطلاع بلا تاخیر مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کو فون نمبر 011-23273407 پر براہ راست دیں۔ نیز صوبائی، شہری، ضلعی اور مقامی جمعیات کے ذمہ داران سے گذارش ہے کہ وہ براہ مہربانی مرکزی اہل حدیث رویت ہلال کمیٹی دہلی کے اعلان رؤیت یا عدم رؤیت کے بعد ہی مقامی طور پر واٹس ایپ ودیگر ذرائع سے اعلان کریں۔ افراد ملت خصوصا احباب جماعت اس جانب خصوصی توجہ مبذول کریں اور اس سلسلے میں سنجیدگی ومتانت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی بھی قسم کی عجلت وجلد بازی سے کام نہ لیں۔ ملک بھر کی ملی تنظیموں خصوصا رؤیت ہلال کمیٹیوں سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ ملی اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلان سے قبل ایک دوسرے سے مشورہ کریں اور فیصلے میں جلد بازی سے قطعا احتراز کریں تاکہ امت وملت کسی بھی قسم کے اختلاف وانتشار سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ امت کو ہر قسم کے فتنے اور انتشار سے محفوظ رکھے۔ آمین یارب العلمین

(۳)

شوال کا چاند نظر آگیا

دہلی ۴/جون ۲۰۱۹ء، آج مورخہ ۴/جون ۲۰۱۹ء بمطابق ۲۹/رمضان ۱۴۴۰ھ بروز منگل مرکزی اہل حدیث رویت ہلال کمیٹی کی ایک میٹنگ ہوئی۔ ملک کے مختلف حصے میں چاند کی رویت کی مصدقہ ومستند خبر موصول ہونے کے پیش نظر مرکزی اہل حدیث رویت ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ۵/جون ۲۰۱۹ء بروز بدھ شوال کی پہلی تاریخ ہوگی۔ اور اسی دن عید منائی جائے گی۔ ☆☆